قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا بہتّرواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

ستمبر 2015ء

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

ناشر و چیئرمین
محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق ۔ ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی
محمد سلیم اختر

قانونی مشیر
ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

زرِ تعاون 40 روپے فی پرچہ
پاکستان -/450 روپے سالانہ
بیرون ملک 2500 روپے سالانہ

بینک اکاؤنٹ نمبر
3082-7 نیشنل بینک آف
پاکستان، مین مارکیٹ گلبرگ
برانچ کوڈ (0465) ۔ لاہور

جلد 68 شمارہ نمبر 09 ستمبر 2015ء

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات	ادارہ	4
قرآنی معاشرہ	عمر احمد عثمانی	5
پرویز صاحب کا نظریہ اجتہاد (فقہ) آخری قسط	ملک منظور حسین لیل	13
ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب کے ایک مضمون پر تبصرہ	خواجہ ازہر عباس، فاضل درس نظامی	30
باب المراسلات	ڈاکٹر انعام الحق	38

ENGLISH SECTION

What have we forgotten Islam. 49
Letter from Sultan Mohammed Shah to
Dr Zahid Hussain, President ArabiyyahJamiyyat,

Surah *'Abasa*(عبس) – Durus-al-Qur'an By G.A.Parwez 53
Parah 30: Chapter9 Translated by: Dr. Mansoor Alam

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ نمبر 2، لاہور ۔ 54660، (پاکستان)
فون: 042-35714546
E-mail: idarati@gmail.com

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے
حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے، معمارِ جہاں تو ہے
تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے
جہانِ آب و گل سے عالم جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے
یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

لمعات

عزۃ الاثم اور ہماری سیاسی/ مذہبی پارٹیاں

انسان کے اندر ایک بدترین جذبہ ایسا ہے جو اس کی تمام خوبیوں کو تباہ کر دیتا ہے اور اسے کبھی صحیح راستے کی طرف آنے نہیں دیتا۔ یہ ہے اس کے ایغو کا جذبہ پندار یعنی (False prestige) کا احساس۔ اسے قرآن نے عزۃ الاثم کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ ایک شخص دلی میں محسوس کرتا ہے کہ اس نے غلطی کی ہے لیکن اس کے ایغو کا جذبہ پندار اسے اس کے اعتراف پر آمادہ نہیں ہونے دیتا۔ وہ اس کے لیے اعذارِ بارِدہ (Justificatory reasons) وضع کرتا ہے حالانکہ اس کا دل جانتا ہے کہ یہ دلائل جھوٹے اور یہ وجوہات وضع ہیں، ایسے شخص پر سعادت کی راہیں کبھی نہیں کھل سکتیں۔ یہ چیز پارٹی بازی میں اکثر حق وصداقت کے راستے میں روک بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اپنی پارٹی کا فرد صریحاً غلطی پر ہو، لیکن ''پارٹی بازی'' کا تقاضا ہے کہ آپ اس کی بہرحال تائید اور مدافعت کریں۔ ایک ڈاکو ہر روز مسافروں کے گلے کاٹے اور غریبوں کو لوٹے۔ اس کی پارٹی کے دوسرے ڈاکو، اسے کبھی بُرا نہیں کہیں گے۔ لیکن اگر وہ لوٹ کے مال میں کچھ خورد برد کرے اور اُس کی تقسیم منصفانہ نہ کرے، تو پھر پارٹی والے اسے بے ایمان اور بددیانت قرار دیں گے۔ پارٹی بازی میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ اپنی پارٹی کا آدمی جب تک دوسروں کے خلاف کچھ کرتا رہے اسے کبھی نہیں ٹوکا جاتا بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اس سے رفتہ رفتہ اس کے دل کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اس میں کسی بات کو (ON- Merit) پرکھنے، اور عدل وانصاف کی رو سے فیصلہ کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ یہ ہے وہ مسخ شدہ ذہنیت جس کے متعلق قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ۔ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو تو جھوٹی عزّت کا احساس اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ (2:206) نتیجہ اس کا یہ کہ اس کی انسانی صلاحیتیں جھلس کر راکھ کا ڈھیر بن جاتی ہیں۔

مومن، نفس (ایغو) کے اس فریب میں نہیں آتا۔ یہ اُس کے راستے میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ دامن جھٹک کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ (ماخوذ از ''مومن کی زندگی'')

عمر احمد عثمانی

گذشتہ سے پیوستہ

قرآنی معاشرہ

(باہمی تعلقات کے متعلق قرآن کی تعلیمات)

والدین کے ساتھ ہمیشہ فروتنی سے پیش آؤ:

ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہئے اور اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ایک زمانہ ہم پر بھی ایسا گزرا ہے جبکہ ہم میں عقل وشعور نہیں تھا اور اسی قسم کی بے عقلی کی باتیں ہم بھی کیا کرتے تھے۔ مگر ان والدین نے ان بے عقلی کی باتوں پر ہمیں ڈانٹا ڈپٹا نہیں تھا بلکہ ہمارے بچپن میں اس قسم کی بے عقلی کی باتوں پر وہ ہنس کر خاموش ہوجایا کرتے تھے بلکہ بعض دفعہ الٹے خوش ہوتے تھے۔ اب، اگر ہمارے والدین کبر سنی کی وجہ سے اس قسم کی بچوں جیسی باتیں کرنے لگے ہیں تو ہمیں اس پر ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرنی چاہئے کہ یہ معذور ہیں اور معذور پر غصہ کیسا؟

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (17:24)

اور رحمت کے تقاضے کے مطابق انکسار اور فروتنی کا پہلو ان کے لیے ہمیشہ جھکائے رکھنا چاہئے اور کہنا چاہئے کہ اے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے مجھے اس وقت پروان چڑھایا تھا جبکہ میں بہت چھوٹا تھا۔

لیکن غلط روش زندگی پر والدین کو تنبیہہ ضرور کردینی چاہیے:

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ تم والدین کو کچھ کہو ہی نہیں اور ان کے سامنے ہر وقت بھیگی بلی بنے رہو۔ سخت کلامی، توہین اور جھڑکنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر تم دیکھ رہے ہو کہ ان کی روش زندگی غلط خطوط پر جا رہی ہے اور خدا نے تمہیں صحیح رستہ دکھایا ہے تو تمہارا یہ بھی فریضہ ہے کہ تم ان کو ان کی غلط روش زندگی پر مناسب طریقہ سے ٹوک دو اور انہیں بتادو کہ ان کی روش صحیح نہیں ہے۔ اس روش کو انہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ اور اس کے بجائے صحیح روش زندگی اختیار کرنی چاہئے۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىۡۤ اَرٰٮكَ وَقَوۡمَكَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ (6:75)

اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا تھا کہ کیا تم ان بتوں کو اپنا آلہ بنا رہے ہو۔ اگر ایسا ہے تو میں تمہیں اور تمہاری پوری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔

بلکہ اگر تصادم کی نوبت پہنچ جائے اور تمہیں نظر آ رہا ہو کہ تمہارے والدین خود تمہیں بھی صحیح روش زندگی پر چلنے نہیں دیتے اور تمہارے راستہ میں حائل ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں ان سے کنارہ کش ہو جانا چاہئے۔

اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَلَا يُبۡصِرُ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡكَ شَيۡـًٔا ۞ يٰۤاَبَتِ اِنِّىۡ قَدۡ جَآءَنِىۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَاۡتِكَ فَاتَّبِعۡنِىۡۤ اَهۡدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۞ يٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّيۡطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ عَصِيًّا ۞ يٰۤاَبَتِ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اَنۡ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ فَتَكُوۡنَ لِلشَّيۡطٰنِ وَلِيًّا ۞ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِىۡ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۚ لَـئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ وَاهۡجُرۡنِىۡ مَلِيًّا ۞ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيۡكَ ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّىۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِىۡ حَفِيًّا ۞ وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَاَدۡعُوۡا رَبِّىۡ ۖ عَسٰٓى اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّىۡ شَقِيًّا ۞
(19:43-47)

یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا تھا۔ ابا جان! آپ ان چیزوں کی پیروی کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں۔ نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ ابا جان! مجھے علم وبصیرت کی وہ دولت مل گئی ہے جو آپ کو نہیں ملی۔ آپ میرا اتباع کیجیے، میں آپ کو سیدھے اور صحیح راستہ کی رہنمائی کر دوں گا۔ ابا جان شیطان کی اطاعت نہ کیجئے۔ شیطان تو حقیقتاً خدا کا بڑا ہی نافرمان ہے ابا جان مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں خدا کی طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے اور اس طرح آپ شیطان کے دوست نہ بن جائیں (یہ باتیں سن کر) باپ نے کہا۔ اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے روگردانی کر رہے ہو؟ دیکھو، اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا۔ کچھ عرصہ کے لیے تم مجھے چھوڑ دو (میں دیکھتا ہوں کہ اس عرصہ میں تم اپنی روش ٹھیک کر لیتے ہو یا نہیں) ابراہیم نے کہا کہ ابا جان میں آپ کے لیے سلامتی ہی کی آرزو رکھتا ہوں اور اپنے پروردگار سے تمہارے لیے سامانِ حفاظت ہی مانگتا رہوں گا۔ میرا پروردگار مجھ پر بہت ہی مہربان ہے اور میں تم لوگوں سے اور ان معبودانِ باطل سے کنارہ کش ہو جاؤں گا جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو۔ میں تو اپنے پروردگار ہی کو پکارتا رہوں گا۔ یقیناً اپنے پروردگار کو پکارنے سے (زندگی کی کامرانیوں سے محروم) نہیں رہ سکوں گا۔

لیکن اس کنارہ کشی کے ساتھ ساتھ ان کے لیے نیک آرزوئیں ضرور باقی رہنی چاہئیں۔ آپ نے محولہ بالا آیات میں

دیکھ لیا ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے بھی فرماتے ہیں۔

سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ (19:47)

میں آپ کے لیے اس کے باوجود بھی سلامتی کی آرزوئیں رکھتا ہوں اور اپنے پروردگار سے آپ کے لیے سامان حفاظت ہی کا طلب گار رہوں گا۔

لٰہذا کنارہ کش ہوجانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ان کے بدخواہ اور دشمن بن جائیں۔ ہمیں ان کی گمراہیوں پر رنج اور افسوس ہونا چاہئے اور یہ خواہش ہمیشہ رکھنی چاہئے کہ کاش وہ راہ راست پر آجاتے۔ ان کی گمراہی پر ہمارا دل کڑھنا چاہئے اور ایک خیر خواہ کی طرح ان کے لیے نیک خواہشات اپنے دل میں رکھنی چاہئیں۔

اس مضمون کو قرآن کریم نے دوسری جگہ مزید وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے جہاں فرمایا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ (60:4)

اے پیروان دعوتِ ایمانی! تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں کی زندگی میں پیروی کے لیے اچھا نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور ان ہستیوں سے جن کی تم خدا کے سوا اطاعت اور فرماں پذیری اختیار کئے ہوئے ہو بالکل بری ہیں۔ ہم اس روش زندگی کا انکار کرتے ہیں ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض کا تعلق واضح ہوگیا ہے اور یہ تعلق اس وقت تک باقی رہے گا جب تک تم تنہا اللہ پر ایمان نہ لے آؤ۔ البتہ ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ ضرور کہا تھا کہ میں تیرے لیے سامان حفاظت کا طلب گار ضرور ہوں گا لیکن خدا کی طرف سے تیرے لیے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔

اس آیت میں قرآن کریم نے اس چیلنج کا ذکر کیا ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی قوم کو دیا ہے۔ چیلنج کے الفاظ پر غور فرمایئے کتنا واضح اور کتنا صاف چیلنج ہے صرف برات اور قطع تعلق ہی کا اعلان نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ نفرت اور عداوت کا بھی اعلان ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت ابراہیم اپنے والد سے پھر بھی اپنی ان نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہیں کہ میں تمہارے لیے سامان حفاظت کا طلب گار ضرور رہوں گا۔ اگرچہ جو بات تمہیں قانون خداوندی کی رو سے پیش آجائے تو مجھے اس کی قطعاً قدرت نہیں ہے کہ میں اس کو روک دوں لیکن میں اپنے دل میں تمہارے لیے نیک آرزوئیں ضرور رکھوں گا۔

چنانچہ یہ نیک آرزوئیں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے لیے برابر رکھیں۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کے دل میں اپنے باپ کے لیے اس سے بڑھ کر اور نیک آرزو کیا ہو سکتی تھی کہ خدائے تعالیٰ اس کو ہدایت کی توفیق عطا فرمادے۔ لیکن ایک نبی کا کام ہدایت کی کوشش اور تمنا رکھنا ہوتا ہے۔ صحیح راستے پر لگا دینا نہیں ہوتا۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ (28:54)

جسے تم چاہو اسے تم ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ ہدایت تو خدا کے قانون کے مطابق ہی مل سکتی ہے اور اسے ہی مل سکتی ہے جو ہدایت لینا چاہتا ہو۔

مالداروں کو مرتے وقت اپنے والدین کے لیے وصیت کرنی چاہئے:

اگر خدا نے تمہیں مال دیا ہے اور تمہاری موت کا وقت قریب آ گیا ہے تو مرتے وقت بھی والدین کے حقوق کو بھولنا نہیں چاہئے۔ اگر والدین ضرورت مند ہیں اور تمہارے مال کی انہیں ضرورت ہے تو تم پر واجب ہے کہ ان کے لیے اور دیگر رشتہ داروں کے لیے مناسب وصیت کر جاؤ تاکہ تمہارے بعد ان کی مٹی خراب نہ ہو اور وہ تمہاری اس وصیت سے اپنی زندگی کے باقی دن آسانی سے پورے کر سکیں۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (2:180)

جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آ جائے تو اگر وہ مال چھوڑ کر مر رہا ہو تو تم پر یہ واجب ٹھہرا دیا گیا ہے کہ اپنے والدین اور اقربا کے لیے معروف طریقہ پر وصیت کر جاؤ یہ چیز ان لوگوں پر واجب ہے جو اپنی زندگی کو خدا کے قوانین سے ہم آہنگ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لہٰذا صرف اتنا ہی ضروری نہیں کہ زندگی بھر تم اپنے والدین کی خدمت کرتے رہو اور ان کے حقوق ادا کرتے رہو۔ بلکہ اگر خدا نے تمہیں توفیق اور وسعت دی ہے تو مرتے وقت بھی ان کو فراموش نہ کرو۔ نہ صرف ان کو بلکہ ان کے ساتھ دوسرے ضرورت مند اعزا و اقرباء کو بھی یاد رکھو اور جتنا مناسب معلوم ہو ان کے لیے وصیت کر دو۔

یہاں دو باتوں کو ضمناً جان لینا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ قرآن نے تقسیم وراثت کے جو قوانین مقرر کیے ہیں، وہ مرنے والے کی وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہی نافذ العمل ہوں گے۔ قرآن کی رُو سے مرنے والے کو پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ترکہ کی جس طرح مناسب سمجھے تقسیم کی وصیت کر جائے۔ دوسرے یہ کہ انفاق اور ورثہ وغیرہ کے احکام اس دور سے متعلق

ہیں جب ہنوز قرآنی نظام معیشت قائم نہ ہوا ہو۔ اس نظام میں ان احکام کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

البتہ نتائج اعمال میں تم والدین کے کام نہیں آسکتے:

مگر اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ والدین کا حسن سلوک ہمارے ساتھ اور ہمارا حسن سلوک والدین کے ساتھ صرف دنیوی معاملات تک ہی محدود رہ سکتا ہے۔ جہاں تک نتائج اعمال کا تعلق ہے نہ ماں باپ اپنی اولاد کے کام آسکتے ہیں اور نہ اولاد اپنے ماں باپ کے کچھ کام آسکتی ہے۔ نتائج اعمال پر مرتب ہوتے ہیں اور وہ وہی ہوں گے جیسے ہمارے اپنے اعمال ہوں گے۔ اگر ہم نے صلاحیت بخش کام کئے ہیں تو ان کے عمدہ نتائج ہمیں حاصل ہوں گے اور اگر ہم نے غیر صلاحیت بخش کام کیے ہیں تو ان کے بُرے نتائج کو بھی ہمیں بھگتنا پڑے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم غیر صلاحیت بخش کام کرتے رہے ہیں لیکن چونکہ ہمارے ماں باپ صلاحیت بخش کام کرتے رہے ہیں اس لئے ان کے اعمال کے نتائج سے ہمیں کچھ حصہ مل جائے۔ یا ہمارے ماں باپ غیر صلاحیت بخش کام کرتے رہے ہیں تو ہمارے صلاحیت بخش اعمال میں ان کو کچھ حصہ مل جائے۔

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ ۝ (32:33)

اے افراد نسل انسانی! اپنے اعمال کو خداوندی قوانین سے ہم آہنگ رکھو اور اس دن سے ڈرتے رہو جبکہ نہ باپ اپنے بیٹے کے کام آسکے گا اور نہ بیٹا کچھ اپنے باپ کے کام آسکے گا۔ یاد رکھو خدا کا یہ وعدہ حقیقت پر مبنی ہے لہٰذا تمہیں دنیوی زندگی سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے اور خدا کے قوانین کے متعلق کسی فریب میں نہیں رہنا چاہئے۔

یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ جس طرح دنیوی زندگی میں باپ اپنی اولاد کے کام آجاتا ہے اور اولاد اپنے باپ کے کام آجاتی ہے ایسے ہی دوسری زندگی میں بھی جہاں اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہر شخص کو نتائج کا سامنا کرنا ہوگا کوئی ایک دوسرے کے کام آسکے گا۔

ماں باپ کے مرجانے کے بعد جو کھانے پکا پکا کر خیرات کئے جاتے ہیں یا فاتحہ دلوائی جاتی ہے یا قرآن پڑھ پڑھ کر بخشے جاتے ہیں یا حج بدل کا ثواب پہنچایا جاتا ہے ان کا کوئی فائدہ مرنے والوں کو نہیں پہنچتا۔ فائدہ صرف ان اعمال کا پہنچتا ہے جو کسی نے خود کئے ہوں۔

ہمیں والدین پر کئے گئے انعامات کا بھی احسان مند ہونا چاہئے:

اولاد کا تعلق اپنے ماں باپ کے ساتھ کچھ اس قسم کا ہے کہ اولاد اپنے ماں باپ کے مال سے بھی استفادہ کرتی ہے، ان

کے علم اور تجربے سے بھی فائدہ اٹھاتی ہے، ان کی صلاحیتوں سے بھی مستفید ہوتی ہے۔ غرضیکہ ان کی ہر چیز سے وہ استفادہ کرتی ہے۔ لہٰذا جو انعامات ہمارے والدین پر کئے جاتے ہیں بالواسطہ وہ ہم پر بھی ہوتے ہیں اس لیے ہمیں ان انعامات کا بھی احسان مند ہونا چاہئے جو اگرچہ ہم پر براہ راست نہیں کیے گئے ہیں۔ لیکن ہم نے ان سے حصہ لیا ہے اور استفادہ کیا ہے لہٰذا جن انعامات خداوندی سے ہمارے والدین بہرہ یاب ہوئے تھے۔ ہمیں ان کا بھی شکر گزار ہونا چاہئے کہ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو ہمارے والدین کما حقہ، ہماری صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے قابل نہ ہوسکتے۔ اس لیے وہ انعامات ہمارے والدین ہی پر نہیں ہیں بلکہ خود ہم پر بھی ہیں۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ڀ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ (46:16-15)

ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں تکلیف کے ساتھ اسے پیٹ میں اٹھائے رہی ہے اور تکلیف کے ساتھ ہی وضع حمل کے مرحلوں سے گزرتی ہے۔ پورے تیس مہینوں تک حمل اور دودھ پلانے کا سلسلہ قائم رہتا ہے حتیٰ کہ جب آدمی پوری توانائی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس سال کا ہوجاتا ہے اور بارگاہ الٰہی میں یوں تمنا پرداز ہوتا ہے کہ اے میرے پرورش کرنے والے! مجھے اس کی توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کے بھرپور نتائج پیدا کروں؟ جو تو نے خود مجھ پر کی ہیں اور ان نعمتوں کے بھی جو تو نے میرے والدین پر فرمائی ہیں اور مجھے توفیق دے کہ میں وہ صلاحیت بخش کام کروں جنہیں تو پسند کرتا ہے اور میری اولاد میں بھی صلاحیت بخشی کی استعداد عطا فرما۔ میں تیری ہی طرف رجوع ہوتا ہوں اور میں تیرے فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے توازن بدوش اعمال ہم قبول کر لیتے ہیں اور غیر توازن بدوش اعمال سے درگزر کردیتے ہیں۔ ان کا شمار جنتی معاشرہ والوں میں ہوتا ہے۔ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے جو ہمیشہ نوع انسانی سے کیا جاتا رہا ہے۔

والدین کی خدمت:

اولاد کو چاہئے کہ وہ والدین کی جتنی ہوسکتی ہو خدمت بجالائے گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹائے اور اگر والدین کام کاج کرنے کے قابل نہ رہے ہوں تو گھر کا کام کاج خود کرے۔ قرآن کریم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دو صاحبزادیوں کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر مدین تشریف لائے تو:

اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (38:23)

موسیٰ نے دیکھا کہ لوگوں کے پیچھے دوعورتیں کھڑی ہیں جو اپنے جانوروں کو پانی سے روک رہی ہیں۔ موسیٰ نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا (تم جانوروں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں ان کو کیوں روک رہی ہو) ان دونوں نے جواب دیا کہ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتے جب تک چرواہے پانی پلا کر اپنے جانوروں کو واپس نہ لیجائیں۔ کیونکہ ہمارا باپ بہت ہی بوڑھا آدمی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ قرآن نے ان مختصر سے الفاظ میں کتنی بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ باپ بہت ہی بوڑھا آدمی ہے اس لیے دونوں لڑکیاں خود جانوروں کو پانی پلانے آئی ہیں۔ عورت کمزور ہوتی ہے اس لیے اسے ایسی سرزمین بے آئین میں جہاں کا قانون (Might is Right) کے مطابق جس کی لاٹھی اس کی بھینس پر عمل پیرا ہو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ طاقتوروں سے پہلے اپنے جانوروں کو پانی پلانے کی جرأت کر سکے۔ جانور تو بہرحال جانور ہیں وہ اس حقیقت کو تو نہیں سمجھتے۔ پانی ان کے سامنے آتا ہے تو وہ پیاس کی وجہ سے پانی کی طرف بڑھنے کے لیے زور لگاتے ہیں اور یہ دونوں ناتوان لڑکیاں اپنے جانوروں کو پانی کی طرف بڑھنے سے روک رہی ہیں۔ یہ تھا وہ نقشہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہاں دیکھا۔ یہ نقشہ کچھ قوم شعیبؑ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں تھا۔ آج بھی ہر جگہ جہاں حدود الٰہی کے مطابق زندگی بسر نہ ہوتی ہو آپ بعینہٖ یہی نقشہ پائیں گے۔ اس حقیقت سے صرف نظر کر کے آپ یہاں صرف اتنا دیکھئے کہ حضرت شعیب علیہ السلام چونکہ کافی بوڑھے ہو چکے تھے اور اس قابل نہیں تھے کہ اپنے جانوروں کو خود لیجا کر گھاٹ پر پانی پلا سکیں اس لیے آپ کی صاحبزادیاں یہ کام انجام دے رہی ہیں۔ اس لئے اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اولاد کا یہ فریضہ ہے کہ گھر کی ضروریات پورا کرنے کے لیے اگر والدین اس قابل نہ رہے ہوں کہ وہ کوئی کام کر سکیں تو اولاد کو یہ کام خود کرنے چاہئیں اس میں لڑکوں اور لڑکیوں کی کوئی قید نہیں ہے۔ اگر کسی کے ہاں نرینہ اولاد نہ ہو تو لڑکیوں کو بھی یہ فریضہ انجام دینا چاہئے۔

والدین کا احترام:

ماں باپ قابل احترام ہستیاں ہیں اس لیے ان کے ساتھ ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ ہی پیش آنا چاہئے ان کو معزز جگہ پر بٹھاؤ۔ اپنے سے اونچا نہیں تو کم از کم انہیں اپنے سے نیچا بھی نہ رکھو۔ اگر تم انہیں اپنے سے بہتر کھلا پلا نہیں سکتے تو کم از کم جیسا خود کھاتے پہنتے ہو ویسا ہی ان کو بھی کھلاؤ اور پہناؤ۔ قرآن کریم نے حضرت یعقوبؑ اور ان کے کنبہ کی مصر میں تشریف

آوری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ۝ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ

(12:100-99)

جب یہ لوگ مصر میں داخل ہوئے تو یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور ان سے کہا کہ آپ لوگ انشاءاللہ مصر میں امن وامان کے ساتھ داخل ہوں اور یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس تخت پر بٹھایا۔

عزت واحترام یہی نہیں کہ ماں باپ تمہارے پاس آئیں تو تم انہیں عزت واحترام کی جگہ پر بٹھا دو۔ بلکہ تمام معاملات میں ان کے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہئے خوراک، لباس، رہنے سہنے، غرض کہ تمام باتوں میں اس عزت واحترام کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ ماں باپ کو اس طرح رکھا جائے جیسے نوکروں کو رکھا جاتا ہے ان کو اس طرح کھلایا پلایا جائے جیسے نوکروں کو کھلایا پلایا جاتا ہے۔ یہ چیز قطعاً غلط ہے اور منشائے خداوندی کے خلاف ہے۔

یہ ہے اس تعلق کی صورت جو قرآنی معاشرہ میں ماں باپ کے ساتھ ان کی اولاد کی ہونی چاہئے۔ مندرجہ بالا تصریحات سے ہمارے سامنے وہ تمام حدود آ گئی ہیں جو قرآن نے اس سلسلہ میں قائم کی ہیں۔ ہمیں ان حدود کے اندر نہایت احتیاط کے ساتھ متوازن زندگی بسر کرنی چاہئے۔ افراط اور تفریط کا قطعاً شکار نہ ہونا چاہئے۔ قرآن کا کمال یہی ہے کہ اس کی تعلیمات میں نہ افراط ہے اور نہ تفریط۔

☆......☆......☆

ENJOY YOUR STAY AT

HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.

NEAR RAILWAY STATION LAHORE

ALL COMFORTS AVAILABLE

- T.V. & FAX
- AIR-CONDITIONED
- TELEPHONE EXCHANGE
- CAR PARKING
- LIFT, INTERNET
- EXCELLENT SERVICE

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,
E-mail:hotel_parkway@yahoo.com

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

آخری قسط

پرویز صاحب کا نظریۂ اجتہاد (فقہ)

(قانون سازی)

قانون سازی کا اہم ترین کام، ہر دور میں، بدلتے حالات اور ضروریات کے پیشِ نظر، قرآن کریم کی حدود میں رہتے ہوئے، پوری امت کی مشاورت سے جاری رہے گا۔ مشاورت کا طریقہ ءکار بھی پوری امت کی مشاورت سے وضع اور طے کیا جائے گا۔ انفرادی یا اجتماعی (گروہی) تدبر و تحقیق کو صرف تجاویز کی حیثیت حاصل ہوگی۔ قانون سازی کا اختیار کسی ایک فرد، گروہ، جماعت پارٹی یا فرقہ کو حاصل نہیں، یہ پوری امت (یعنی اسلامی مملکت) کا کام ہے۔

کیا سنت میں تبدیلی کی جا سکتی ہے؟:۔

قرآن حکیم کے حکمِ مشاورت کو سامنے رکھتے ہوئے تمام احکام (عبادات سمیت) کی تعیین میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ حکمِ مشاورت کی وجہ سے قرآن کریم کے سوا کوئی چیز (سنت، فقہ وغیرہ) حتمی اور نا قابلِ تغیر و تبدل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث و سنت کو "وحی خفی" یا "وحی غیر متلو" وغیرہ سمجھنے کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے کیونکہ وحی پر تو مشاورت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ نے اپنے زمانے میں گھوڑوں پر سوار ہو کر اور تیر تلوار سے جنگیں لڑیں، کیا آج کے دور میں گھوڑوں پر تیر تلوار سے جنگ کرنا درست ہوگا؟۔ کیا حضور ﷺ کی اس سنت میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی؟۔ اسی طرح زندگی کے دیگر تقاضے ہیں، جنہیں پورا کرنے کے لئے رسول کریم ﷺ کے طریقہ (سنت) میں تبدیلی ضروری قرار پائے گی مگر قرآن کی حدود میں رہ کر۔ یہ بھی ہمیشہ پیشِ نظر رہے کہ (قانون سازی یا) سنت میں تبدیلی وغیرہ کا کام کسی فردِ واحد، گروہ، جماعت، فرقہ یا مذہبی پیشوائیت کا نہیں، یہ کام پوری امت یعنی اسلامی حکومت کا ہے۔ آج کل مذہبی پیشواؤں نے اپنے طور پر دارالافتاء والقضاء وغیرہ قائم کر رکھے ہیں جو وقتاً فوقتاً فتاویٰ جاری کرتے رہتے ہیں (بلکہ آج کل تو چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں

ایک اکیلا مولوی مفتی بن کر قتل تک کے فتاویٰ جاری کر دیتا ہے)۔ان کی حیثیت انفرادی آراء اور تجاویز سے زیادہ کچھ نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے فتاویٰ کا جو حشر ہوتا ہے، وہ سب کے سامنے ہے۔اس سلسلہ میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی مثال ہمارے سامنے ہے۔امتِ مسلمہ کے تمام علماء اس امر پر متفقہ طور پر فتاویٰ جاری کرتے رہے کہ احمدی غیر مسلم ہیں لیکن عملاً انہیں غیر مسلم اس وقت قرار دیا گیا جب، حکومتی سطح پر، بذریعہ قومی اسمبلی، احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔یہ ہوتی ہے حکومتی فیصلے کی اہمیت!۔۔یہ جو ہمارے علماء (انفرادی اور اجتماعی طور پر) ایک دوسرے کے خلاف فتاوائے تکفیر جاری کرتے رہتے ہیں، ان فتاویٰ کی کوئی حیثیت نہیں، ان کا نتیجہ باہمی نفرتوں (باہمی قتل و غارت اور دہشت گردی) کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔علماء کے ان فتووں سے کوئی کافر قرار نہیں پاسکتا کیونکہ یہ کام اسلامی حکومت کا ہے کہ وہ کسی کو کافر قرار دے۔مؤلف)۔

مولانا مودودیؒ کا نظریہ:۔

طلوعِ اسلام جنوری 1977ء، ص:28:۔''یہ حقیقت یقیناً ناقابلِ انکار ہے کہ شارع نے غایت درجہ کی حکمت اور کمال درجہ کے علم سے کام لے کر اپنے احکام کی بجا آوری کے لئے زیادہ تر ایسی ہی صورتیں تجویز کی ہیں جو تمام زمانوں اور تمام مقامات اور تمام حالات میں اس کے مقاصد کو پورا کرتی ہیں۔لیکن اس کے باوجود بکثرت جزئیات ایسے بھی ہیں جن میں تغیر حالات کے لحاظ سے احکام میں تغیر ہونا ضروری ہے۔جو حالات عہدِ رسالت ﷺ اور عہدِ صحابہؓ میں عرب اور دنیائے اسلام کے تھے، لازم نہیں کہ بعینہٖ وہی حالات ہر زمانے اور ہر ملک کے ہوں۔لہٰذا، احکام اسلامی پر عمل کرنے کی جو صورتیں ان حالات میں اختیار کی گئی تھیں ان کو ہو بہو تمام زمانوں اور تمام حالات میں قائم رکھنا اور مصالح و حِکَم کے لحاظ سے ان کے جزئیات میں کسی قسم کا ردوبدل نہ کرنا ایک طرح کی رسم پرستی ہے جس کو روحِ اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں۔۔جزئیات میں دلالۃ النص اور اشارۃ النص تو درکنار صراحۃ النص کی پیروی بھی تفقہ کے بغیر درست نہیں ہوتی۔۔اور تفقہ کا اقتضاء یہ ہے کہ انسان ہر مسئلہ میں شارع کے مقاصد و مصالح پر نظر رکھے اور انہی کے لحاظ سے جزئیات میں تغیر احوال کے ساتھ ایسا تغیر کرتا رہے جو شارع کے اصولِ تشریع پر مبنی اور اس کے طرزِ عمل سے اقرب ہو''۔۔(تفہیمات، حصہ دوم، اگست 1951ء، ایڈیشن، ص:327۔328)۔دوسری جگہ وہ بصراحت لکھتے ہیں کہ عبادات کے سوا دیگر تمام احکام میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔ان کے الفاظ یہ ہیں:۔''اب رہ گئے احکام۔تو قرآن مجید میں ان کے متعلق زیادہ تر کُلّی قوانین بیان کئے گئے ہیں۔اور بیشتر امور میں تفصیلات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔نبی ﷺ نے عملاً ان احکام کو زندگی کے معاملات میں جاری فرمایا اور اپنے عمل اور قول سے ان کی تفصیلات ظاہر فرمائیں۔ان تفصیلات میں سے بعض ایسی ہیں جن میں ہمارے اجتہاد کو کوئی دخل

نہیں۔ہم پر لازم ہے کہ جیسا عمل حضور ﷺ سے ثابت ہے، اُسی کی پیروی کریں۔مثلاً عبادات کے احکام۔ اور بعض تفصیلات ایسی ہیں کہ ان سے ہم اصول اخذ کرکے، اپنے اجتہاد سے فروع مستنبط کرسکتے ہیں۔ مثلاً عہدِ نبوی ﷺ کے قوانینِ مدنی۔اور بعض تفصیلات ایسی ہیں کہ ان سے ہم کو اسلام کی اسپرٹ معلوم ہوتی ہے۔اگر یہ اسپرٹ ہمارے قلب و روح میں جاری و ساری ہو جائے تو ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ زندگی کے جملہ معالات اور مسائل پر ایک مسلمان کی سی ذہنیت اور ایک مسلمان کی سی بصیرت کے ساتھ غور کریں۔اور دنیا کے علمی اور عملی مسائل کو اسلامی نقطہءِ نظر سے دیکھیں اور ان کے متعلق ویسی ہی رائے قائم کریں، جیسی ایک مسلمان کو کرنی چاہیئے۔'' (تفہیمات، حصہ، اول، ص:332-333)۔

طلوعِ اسلام جنوری 1978ء، ص:36:۔''اصل سوال مملکت کے لئے قوانین مدنی (پبلک لاز) کا ہے۔ان کے متعلق مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ جو قوانین صدرِ اول میں مرتب ہوئے تھے، ان میں تغیر حالات کے ماتحت، ردوبدل کیا جاسکتا ہے۔علاوہ ازیں:۔اب اگر کوئی ایسا حادثہ پیش آتا ہے جو صحابہ یا ائمہ کے دور میں پیش نہیں آیا، یا کوئی ایسی چیز ایجاد ہوتی ہے جو اُس دور میں موجود ہی نہ تھی تو اس کے متعلق متقدمین کے اجتہادی احکام میں کوئی حکم تلاش کرنا بداہۃً غلط ہے۔ایسے ہر حادثے اور ہر چیز کے لئے ہم کو بھی اسی طرح اصول وکلیات کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس طرح صحابہ اور ائمہ نے اپنے عہد کے حوادث میں کیا تھا۔(تفہیمات، حصہ دوم، ص:387)۔مولانا امین احسن اصلاحی نے (جو اُس زمانے میں مودودی صاحب کے دستِ راست تھے) لکھا تھا کہ:۔قرآن وحدیث کے اندر بیشتر صرف بنیادی اور اصولی باتیں ہی بیان کی گئی ہیں، جزئیات وتفصیلات سے ان میں بہت کم تعرض کیا گیا ہے۔اس خلاء کو حالات وضروریات کے تحت بھرنا، نیز تمام پیش آنے والے اجتماعی و سیاسی معاملات میں اسلام کے منشاء اور مزاج کے مطابق قوانین بنانا امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔(ترجمان القرآن، اپریل 1952ء)۔ظاہر ہے کہ اس قسم کا تغیر وتبدل یا حک واضافہ، اسلامی مملکت کے اختیار میں ہوگا۔کوئی فرد یا گروہ، اپنے طور پر اس کا مجاز نہیں ہوگا۔''

اجتہاد:۔طلوعِ اسلام دسمبر 1983ء، ص:21:۔''اگر آپ ایک اصولی نکتہ کو ذہن نشین کرلیں تو کسی تفصیل کی ضرورت نہیں رہے گی۔وہ نکتہ یہ ہے کہ دین کے احکام اور اصول اسلامی مملکت کے لئے ہیں۔اگر انہیں اسلامی مملکت کے فریم میں رکھا جائے تو ہر جزئیہ اپنی اپنی جگہ فٹ بیٹھ جاتا ہے۔اور ان کے سمجھنے میں کوئی الجھاؤ پیدا نہیں ہوتا۔لیکن اگر مملکت اسلامی نہ ہو تو دین کی کوئی شق بھی اس کے فریم میں فٹ نہیں بیٹھتی اور ان کے سمجھنے میں الجھن پیدا ہو جاتی ہے۔غیر اسلامی مملکت میں اسلام ''دین'' نہیں رہتا، ''مذہب'' بن جاتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ دین کا لبادہ، جسدِ مذہب پر راست نہیں

آ سکتا۔ ہماری موجودہ مشکل اور وجہ ء پریشانی یہ ہے کہ مملکت غیر اسلامی ہے اور ہم اس میں دین کی جزئیات فٹ کرنا چاہتے ہیں۔ اور جب وہ فٹ نہیں بیٹھتیں تو ہم ان پر رونا چلانا شروع کر دیتے ہیں۔۔۔اسی مسئلہ ء اجتہاد کو لیجئے۔ اسلامی مملکت کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن کے احکام واصول کو نافذ کرے۔اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ان کی تنفیذ کے لئے طور طریقے وضع کئے جائیں۔ یہ طریقے امت کی مشاورت سے وضع کئے جائیں گے۔اسے اجتہاد کہا جائے گا۔اس اجتہاد کے نتیجہ میں اُمت جس نتیجہ پر پہنچے گی، اسے قانون مملکت کی حیثیت سے نافذ کیا جائے گا۔ یہ قوانین شریعت کہلائیں گے۔ان میں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت محسوس ہوگی تو مملکت پھر ان پر اُمت کے مشورے سے غور وفکر کرے گی۔ اس تمام پروگرام میں کسی فرد یا گروہ کے اجتہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ حتیٰ کہ مقامی افسر بھی اس کے مجاز نہیں ہوں گے کہ اگر کسی معاملہ میں حکومت کا فیصلہ موجود نہیں تو وہ اپنے طور پر (ذاتی اجتہاد سے) فیصلہ کر کے اسے قانون کی حیثیت سے نافذ کر دیں۔ انہیں ایسے معاملات کو مرکزی حکومت کی طرف (Refer) کرنا ہوگا۔ اور وہاں سے جو فیصلہ موصول ہو، اسے نافذ کرنا ہوگا۔قرآن کی یہی راہنمائی ہے۔۔۔آپ نے غور فرمایا کہ دین کے اس فریم میں مسئلہ ء اجتہاد کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔لیکن جب دین، مذہب میں تبدیل ہو جائے تو اسلام کا سارا نقشہ بدل جاتا ہے۔ اس میں امت کی اجتماعیت ختم ہو جاتی ہے اور اسلام نام رہ جاتا ہے انفرادی مذہب کا۔ آپ پاکستان پر غور کیجئے، اس کی مملکت اسلامی نہیں۔ اس میں اسلام مختلف فرقوں کا اختیار کردہ انفرادی مذہب ہے۔ ہر فرقہ اصولاً اس کا مدعی ہے کہ اس کے ہاں زندگی کے تمام تقاضوں کے لئے ضروری احکام موجود ہیں، اس لئے اجتہاد کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن زمانے کے تقاضے ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں جن میں وہ بھی مجبور ہو جاتے ہیں کہ جدید احکام شریعت وضع کریں۔ اس کے لئے اجتہاد کیا جاتا ہے اور اس انفرادی اجتہاد کے لئے اس قسم کے سوال اٹھتے ہیں کہ مجتہد کی خصوصیات کیا ہونا چاہئیں۔ اجتہاد کے لئے شرائط کس قسم کی ہونا چاہئیں وغیرہ وغیرہ۔ ان خصوصیات اور شرائط پر بھی سب کا اتفاق نہیں ہوتا۔ پھر مجتہد جو اجتہاد کرتا ہے اس کے اجتہاد کی حیثیت انفرادی ہوتی ہے کہ جس کا جی چاہے اسے مانے، جی چاہے نہ مانے۔ اگر حکومت اس کے اجتہاد کو قبول کر کے، اس کے مطابق کوئی قانون نافذ کر دیتی ہے تو اس کی حیثیت بھی اسلامی قانون کی نہیں ہوسکتی۔ اسلامی قانون تو وہی قرار پا سکتا ہے جسے اسلامی مملکت نافذ کرے۔ (مثلاً) اگر بھارت کی حکومت شراب کو ممنوع قرار دینے کے لئے کوئی قانون نافذ کر دے تو امتناعِ شراب ہر چند اسلام کے منشاء کے مطابق ہوگا لیکن اس قانون کو اسلامی قانونِ شریعت نہیں کہا جا سکے گا۔ اس لئے کہ وہ قانون اسلامی مملکت کی طرف سے نافذ نہیں ہوا۔ اسلامی مملکت وہی کہلا سکتی ہے جس کا تمام کاروبار قرآن کریم کی متعین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے۔ اس سے آپ

سمجھ لیجئے کہ غیر اسلامی مملکت یا معاشرہ میں اجتہاد کی حیثیت کیا ہوتی ہے۔اس میں نہ اجتہاد، اسلامی اجتہاد ہوتا ہے، نہ اس اجتہاد کا ماحصل اسلامی قانون۔ اسلامی اجتہاد، اسلامی مملکت کے مشاورتی فیصلوں کا دوسرا نام ہے جو قرآن کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کئے جائیں۔''

طلوعِ اسلام جولائی 1984ء، ص:62:۔ ''اسلامی قوانین مرتب کس طرح ہوں گے۔سو اس سلسلہ میں سب سے پہلے اور بنیادی طور پر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلامی قوانین اسلامی مملکت میں مرتب اور نافذ ہوتے ہیں۔اس کے لئے واضح طریق یہ ہے کہ:۔(1)۔جن قوانین واحکام کا قرآن مجید میں بالتصریح ذکر ہے، انہیں قوانین مملکت کی حیثیت سے نافذ کیا جائے گا۔اوران کے نفاذ کے طریق امت کی مشاورت سے طے پائیں گے۔(2)۔جن احکام کو قرآن نے اصولی طور پر دیا ہے، ان کی عملی جزئیات امت کے مشورہ سے

متعین اور اسلامی مملکت کی طرف سے نافذ ہوں گی۔(3)۔جن امور میں قرآن خاموش ہے ان کے متعلق احکام، قرآن کی حدود کے اندر رہتے ہوئے امت کے مشورہ سے مدون اور حکومت کی طرف سے نافذ ہوں گے۔ (4)۔امت کے یہ مشورے اجتہاد کہلائیں گے۔جو کچھ اس اجتہاد کی رو سے طے پائے گا، وہ قابلِ تغیر وتبدل ہوگا۔(5)۔ان قوانین میں پرسنل اور پبلک لاز میں کوئی تفریق نہیں ہوگی اور اسلامی مملکت میں رہنے والے تمام مسلمانوں پر ان کا یکساں اطلاق ہوگا۔۔۔یہ بھی واضح رہے کہ کوئی مملکت محض چند قوانین نافذ کرنے سے اسلامی نہیں ہوجاتی۔اس کے لئے سب سے پہلے معاشرہ کو اسلامی بنانا ہوگا۔اسلامی معاشرہ کی امتیازی خصوصیات متعدد ہیں، لیکن ان میں سرِ فہرست دو ایک ایسی ہیں جن سے وہ معاشرہ منفرد اور متمیز حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔مثلاً۔(1)۔اس معاشرہ میں کوئی فرد ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا۔(2)۔اس میں تمام انسانوں کو محض انسان ہونے کی حیثیت سے یکساں واجب التکریم سمجھا جاتا اور احترام وشرفِ آدمیت کو اصل تہذیب قرار دیا جاتا ہے۔(3)۔اس میں نہ کوئی کسی کا محکوم ہوتا ہے۔محکومیت صرف کتاب اللہ کی ہوتی ہے۔''

اسلامی قانون کسے کہیں گے؟۔طلوعِ اسلام، اپریل 1981ء، صفحہ نمبر 6:۔ ''اسلامی قانون اسے کہیں گے جو اسلامی حکومت کی طرف سے نافذ ہو۔اگر کوئی قانون قرآن، سنت، فقہ کے مطابق بھی ہو لیکن وہ نافذ ہو کسی غیر اسلامی حکومت کی طرف سے، تو اسے اسلامی قانون نہیں کہا جائے گا۔(مثلاً) اگر بھارت میں شراب کو قانوناً ممنوع قرار دیا جائے، تو اس حکومت کے قانون کو اسلامی نہیں کہا جائے گا۔حالانکہ اس کے مطابق اسلام ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔یہ وجہ

ہے جو اللہ تعالیٰ نے، اپنے احکام کے نفاذ کے لئے، جماعتِ مومنین کی اپنی آزاد مملکت کے قیام کو لاینفک قرار دیا۔ اسلامی مملکت کے قیام سے، درحقیقت، ایک ایسا نظام قائم یا ایسی فضا پیدا ہوتی ہے جو منشاء خداوندی کو پورا کرتی ہے۔ احکامِ خداوندی، اسی نظام یا فضا میں نافذ ہونے سے اپنا مقصد پورا کرتے ہیں۔ اور وہ مقصد ہوتا ہے افرادِ معاشرہ کے قلب ونگاہ میں صحیح تغیر۔ ان قوانین یا احکام کو، غیر اسلامی فضا میں، میکانکی طور پر نافذ کرنے سے یہ مقصد حاصل ہی نہیں ہوسکتا۔ آپ نے کبھی اس پر بھی غور فرمایا کہ قرآن کریم نے کیوں کہا ہے کہ: لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔۔ (2:177)۔ ''نیکی یا کشادکی راہ یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔۔۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ قوانینِ خداوندی کی میکانکی طور پر ادائیگی سے ان کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ یہ مقصد پورا ہوتا ہے قلب ونگاہ کی تبدیلی سے جسے ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (آیت کے اگلے حصے میں یہی کہا گیا ہے)۔ اور یہ تبدیلی ہوتی ہے، اُمت کے اجتماعی نظام کے اندر رہتے ہوئے، جو قرآن کے ساتھ وابستگی اور پیوستگی سے وجود میں آتا ہے۔: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ (3:102)۔ کتابِ خداوندی کے ساتھ وابستگی کے ساتھ۔ جمیعاً، کی شرط کے معنی یہ ہیں کہ ان احکام کا مقصد، جماعتِ مومنین کے اجتماعی نظام ہی میں حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لئے ''دین'' نہ انفرادی ہے اور نہ ہی غیر اسلامی نظام یا حکومت میں اس پر عمل پیرا ہوا جاسکتا ہے۔ لہٰذا، ۔(1)۔ احکامِ خداوندی اس وقت اسلامی کہلا سکتے ہیں، جب وہ اسلامی مملکت کی طرف سے نافذ ہوں۔(2)۔ یہاں سے یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ایک مملکت کے اسلامی ہونے کی شرط کیا ہے، یعنی اسلامی اور غیر اسلامی مملکت میں فرق کیا ہے؟۔ اس کی وضاحت خود اللہ تعالیٰ نے کھلے کھلے الفاظ میں کردی۔۔۔ پہلے کہا:۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (5:47)۔ ''اور جو لوگ ما انزل اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ فاسق ہیں۔'' پھر فرمایا:۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (5:45)۔ ''اور جو لوگ ما انزل اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ ظالم ہیں۔'' اور آخر میں دوٹوک الفاظ میں اس فیصلہ کن حقیقت کا اعلان فرمادیا کہ:۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5:44)۔ ''اور جو لوگ ما انزل اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔'' بات واضح ہے کہ:۔ (ا)۔ جو حکومت ما انزل اللہ (جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے) کے مطابق نہیں، اس میں کسی کام کو بھی ''نیک عملی'' نہیں کہا جاسکتا۔ خواہ وہ نظر بظاہر، نیک کام ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ وہ حکومت فاسقین کی ہے۔(ب)۔ ایسی حکومت میں کوئی فیصلہ مبنی بر عدل نہیں کہلا سکتا، کیونکہ وہ ظلم پر مبنی ہے۔ اور (ج)۔ ایسی حکومت، اسلامی کہلا ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ وہ نظام کافرانہ ہے۔ کفر واسلام میں یہی، حدِ فاصل ہے۔۔۔

(3)۔اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کردیا کہ:۔"ما انزل اللہ" سے مراد کتاب اللہ (خدا کی کتاب۔یعنی قرآن مجید) ہے۔فرمایا:۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ... فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ... (5:48)۔"اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے۔۔۔سوتم لوگوں کے فیصلے اسی ما انزل اللہ کے مطابق کیا کرو۔" اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے سوا کسی چیز کو "ما انزل اللہ" کہہ کر نہیں پکارا۔اسی "ما انزل اللہ" پر نبی اکرم ﷺ خود ایمان لائے تھے اور دیگر مومنین بھی۔:۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ (2:285)۔"رسول اس پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب نے اس کی طرف نازل کیا۔اور مومن بھی (اسی پر ایمان لانے سے مومن کہلاتے ہیں)۔" اسی کے اتباع کا حکم جماعتِ مومنین (مسلمانوں) کو دیا گیا۔اور اس کے سوا دوسروں کے اتباع سے منع کیا گیا۔:۔ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ (7:3)۔"جو کچھ تمہارے رب نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اس کا اتباع کرو۔اور اس کے سوا کسی اور بزرگ کا اتباع نہ کرو۔" یہی کتاب رسول اللہ ﷺ اُمت کو دے کر گئے تھے۔اور اسی کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ اگر تم اس کے ساتھ متمسک رہے تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔حضور ﷺ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا تھا کہ:۔قد ترکت فیکم ما تضلوا بعدہٗ ان اعتصمتم بہ۔کتاب اللہ۔(بخاری۔باب حجۃ الوداع)۔"میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے تھامے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔وہ ہے کتاب اللہ۔"۔خدا نے بھی اُمتِ مسلمہ کو، اسی کتاب کا وارث بنایا تھا۔: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ (35:32)۔"پھر ہم نے اس کتاب کا وارث انہیں بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے اس مقصد کے لئے منتخب کیا ہے۔"

ان تصریحات سے واضح ہے کہ کوئی مملکت اس وقت اسلامی کہلا سکتی ہے جب اس کا تمام کاروبار قرآن مجید کے مطابق سرانجام پاتا ہو۔وہ چند احکام کے نفاذ سے (خواہ وہ قرآنی ہی کیوں نہ ہوں) اسلامی مملکت نہیں کہلا سکتی۔اس معاشرے کو پورا کا پورا اسلامی ہونا چاہیئے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۔۔۔(2:208)۔"اے جماعتِ مومنین! تم اس امن وسلامتی کے ضامن معاشرہ میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔" یہ روش کہ بعض احکام اسلام کے لے لئے، بعض غیر اسلامی رہنے دیئے، بدترین نظام ہے۔فرمایا:۔۔۔۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ ۔۔۔(2:85)۔"کیا تم الکتاب کے بعض حصے پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے دوسرے حصے سے انکار کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسی روش اختیار کرے گا اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ وہ دنیاوی زندگی میں بھی ذلیل وخوار ہو، اور آخرت میں شدید ترین عذاب کا مستحق۔"

طلوعِ اسلام، اپریل 1981ء، صفحہ نمبر 10: ۔ پاکستان میں اسلامی قوانین کی تدوین اور نفاذ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ’’آپ جو قوانین نافذ کر رہے ہیں وہ فقہ کے قوانین ہیں۔ یہ قوانین غیر اسلامی حکومتوں میں، ماہرینِ قوانین (انسانوں) نے وضع کئے تھے۔ انسانوں کے وضع کردہ قوانین، کبھی قوانین واحکامِ خداوندی کا درجہ نہیں لے سکتے۔ انہیں ابدی اور غیر متبدل سمجھنا، انہیں کلمات اللہ کا درجہ دے دینا ہے جو کھلا ہوا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شرک کے خلاف واضح الفاظ میں متنبہ کیا ہے۔ قرآن کریم میں یہود ونصاریٰ کے متعلق کہا گیا ہے: ۔ اِتَّخَذُوٓا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ (9:31)۔ ’’ان لوگوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو، خدا سے ورے ہی خدا بنا رکھا ہے۔‘‘ اس آیت کی تفسیر میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی بڑا حقیقت کشا ہے۔ ’’حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عیسائی تھا اور میرے گلے میں صلیب پڑی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے دیکھ کر فرمایا۔ عدی! اس بت کو گلے سے اتار پھینک۔ اس وقت آپ ﷺ سورہء براۃ (توبہ) کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب یہ آیت آئی: اِتَّخَذُوٓا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۔ تو میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے ان لوگوں کو کبھی رب نہیں بنایا۔ فرمایا۔ مگر کیا یہ واقعہ نہیں کہ خدا نے جو چیز حرام کی ہے اسے یہ لوگ تمہارے لئے حلال کر دیتے ہیں، اور تم اسے حلال سمجھنے لگ جاتے ہو۔ اور خدا نے جو چیز حلال قرار دی ہے اسے یہ لوگ حرام کر دیتے ہیں اور تم اسے حرام سمجھنے لگ جاتے ہو۔ میں نے اقرار کیا کہ بے شک واقعہ یہی ہے۔ تو فرمایا۔ یہی تو انہیں خدا بنا لینا ہے۔ (جامع بیان العلم۔ ابن عبدالبر)۔‘‘

آپ حضرات، ان احبار ورھبان (فقہاء حضرات) کے وضع کردہ قوانین کو جو اسلام کا ابدی دین کہہ کر پیش کر رہے ہیں، یہ انہیں خدا بنا دینا ہے۔ جہاں تک ان حضراتؒ کے اقوال ہم تک پہنچے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ خود ان حضرات کا بھی اپنے فیصلوں کے متعلق یہ عقیدہ نہیں تھا۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے: ۔ ’’امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ہم امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ جو کچھ امام صاحب فرماتے ہم اسے لکھ لیا کرتے۔ ایک دن امام صاحب نے ابو یوسف سے فرمایا کہ یعقوب! تیرا ناس ہو، جو کچھ تو مجھ سے سنتا ہے، اسے سب کا سب نہ لکھ لیا کر۔ آج میری رائے کچھ ہوتی ہے، اور کل میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ ابونعیم کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ کو ابو یوسف سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے کوئی مسئلہ نقل نہ کرو۔ کیونکہ بخدا مجھے خبر نہیں کہ میں اپنے اجتہاد میں خطا کار ہوں یا مصیب۔ (جلد نمبر: 14، صفحہ نمبر: 352)۔‘‘ یہ تھا سر خیل فقہاء امام ابو حنیفہؒ کا مسلک۔ یہی وجہ ہے کہ جسے فقہ حنفی کہتے ہیں اس میں امام صاحبؒ کی کوئی کتاب شامل نہیں۔ انہوں نے فقہ کی کوئی تصنیف اپنے پیچھے نہیں چھوڑی تھی۔ یہ امام صاحبؒ کا مسلک تھا اور آپ حضرات ان کی طرف منسوب فقہ کو ابدی شریعتِ

اسلامیہ قرار دے کر ملک میں نافذ کر رہے ہیں!''۔ فقہی قوانین کو اسلامی شریعت قرار دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ:۔

(1)۔اُمت مختلف فرقوں میں بٹ گئی۔۔۔ ہر فرقہ اپنی فقہ کے اعتبار سے الگ فرقہ بنتا ہے۔حالانکہ قرآن کریم نے فرقہ بندی کو بالفاظِ صریح شرک قرار دیا تھا۔ارشادِ خداوندی ہے۔(مفہوم)۔''مسلمانو! دیکھنا، تم ایمان لانے کے بعد مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کر لئے، اور خود بھی ایک گروہ بن کر بیٹھ گئے۔پھر کیفیت یہ ہوگئی کہ ہر فرقہ مطمئن ہو گیا کہ ہم حق پر ہیں اور باقی فرقے باطل پر۔(30:31-32)۔''اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے برملا کہہ دیا کہ:۔(مفہوم)۔''اے رسول! جو لوگ اپنے دین میں فرقے پیدا کر لیں اور خود بھی ایک فرقہ سے متمسک ہو جائیں، تیرا اُن سے کوئی واسطہ نہیں۔(6:160)۔''یعنی اگر مسلمانوں میں فرقے پیدا ہو جائیں تو نہ خدا کے ساتھ ان کا کوئی رشتہ باقی رہتا ہے، نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔۔۔ یہ ہے فقہی قوانین کو دین بنا لینے کا پہلا نتیجہ۔

(2)۔فقہ نے اسلامی احکام کو دو شقوں میں تقسیم کر دیا۔یعنی پبلک لاز اور پرسنل لاز، حالانکہ اسلام میں اس قسم کی تقسیم کی کوئی گنجائش نہیں۔اس سے اور تو اور، خود قرآنی احکام بھی مختلف شقوں میں بٹ گئے۔(مثلاً) قرآن کریم میں احکامِ خداوندی کے لئے''کُتِبَ'' کا لفظ آیا ہے۔اب فقہی تقسیم و تفریق ملاحظہ فرمائیے:۔(ا)۔ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ۔۔۔(2:216)۔ ''مسلمانو! تم پر جنگ فرض قرار دی گئی ہے۔'' فقہ کی رو سے یہ پبلک لاء ہے جس کا اطلاق تمام مسلمانوں پر ہوتا ہے۔(ب)۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ ۔۔۔ اِلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۔۔۔(2:180)۔''تم پر فرض قرار دیا گیا ہے کہ تم اپنے والدین اور اقربین کے لئے وصیت کرو۔''فقہ کی رو سے یہ پرسنل لاء ہے۔(ج)۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ۔۔۔(2:183)۔''مسلمانو! تم پر روزے فرض قرار دیئے گئے ہیں۔''فقہ کی رو سے اس کا تعلق نہ پبلک لاء سے ہے نہ پرسنل لاء سے۔یہ عبادت ہے جو قانون کے دائرے میں نہیں آتی۔۔ان میں فرق یہ ہے کہ پبلک لاز کو مدون بھی حکومت کرتی ہے اور نافذ بھی وہی۔پرسنل لاز فقہ کی رو سے مدون ہوتے ہیں لیکن ان کا نفاذ قانون حکومت کی حیثیت سے ہوتا ہے۔اور عبادات کی جزئیات فقہ کی رو سے مرتب ہوتی ہیں لیکن قانونِ مملکت کی حیثیت سے نافذ نہیں ہوتیں۔

(3)۔قرآن مجید کے احکام غیر متبدل ہیں۔ان میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (6:34)۔حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسا کرنے کا اختیار نہیں تھا۔مخالفین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں کچھ تبدیلی کر دیں گے تو ہم مفاہمت کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ان کے جواب میں کہا گیا:۔قل ما یکون لی ان ابدلہٗ من یلقای نفسی۔۔۔ یہ قرآن میری کتاب نہیں۔خدا کی کتاب ہے۔جب یہ میری کتاب ہی نہیں تو میں اس میں کس طرح ردوبدل کر سکتا

ہوں۔۔اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ۔میرا فریضہ تو اس کتاب کا اتباع کرنا ہے۔۔اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (10:15) ۔اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو میں بھی خدا کے عذاب سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔۔۔یہ ہے قرآنی احکام کے غیر متبدل ہونے کی کیفیت!۔۔لیکن ہماری فقہ اس میں بھی تبدیلیاں کر دیتی ہے۔(مثلاً) اسی آیہء وصیت کو لیجئے جسے اوپر درج کیا گیا ہے یعنی (2:180)۔اس میں کہا گیا ہے کہ ہر مسلمان پر وصیت کرنا فرض ہے۔وہ اپنی وصیت اپنے پورے کے پورے ترکہ کے لئے کرسکتا ہے، اور اپنے رشتہ داروں اور غیر رشتہ داروں میں سے جس کے حق میں چاہے کرسکتا ہے۔خدا کی طرف سے اس پر کوئی پابندی نہیں۔لیکن ہماری فقہ کا حکم ہے کہ وصیت زیادہ سے زیادہ ایک تہائی (1/3) ترکہ تک کی جاسکتی ہے اور وہ بھی وارثوں میں سے کسی کے حق میں نہیں کی جاسکتی۔یعنی فقہ، قرآن کریم کے حکم میں اس قدر کھلی ہوئی تبدیلی کرتی ہے اور فقہ کا یہی فیصلہ قانونِ حکومت کی رو سے نافذ ہوتا ہے۔اسی طرح کئی اور فقہی احکام بھی ہیں جو یکسر قرآن کے خلاف ہیں۔ان تصریحات سے واضح ہے کہ جس مملکت میں:۔(1)۔مسلمان فرقوں میں بٹے ہوں۔(2)۔جہاں پبلک لاز اور پرسنل لاز کی تفریق ہو۔(3)۔جہاں قرآنِ خالص کی جگہ فقہی احکام قانون کی حیثیت سے نافذ ہوں، خواہ وہ قرآن کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔۔۔نہ وہ مملکت اسلامی کہلاسکتی ہے، نہ اس میں نافذ کردہ قوانین، اسلامی۔وہ سیکولر اسٹیٹ ہوگی۔اور اس کے قوانین کی اطاعت یا تعمیل، قوانینِ مملکت کی حیثیت سے کی جائے گی، نہ کہ اسلامی احکام کی حیثیت سے۔اندریں حالات ہم اپنے ہاں کے واضعینِ قوانین سے بصد احترام پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ جو قوانین وضع کررہے ہیں انہیں کس طرح اسلامی قوانین قرار دیتے ہیں۔۔۔یعنی وہ قوانین جو ہزار سال پہلے کسی غیر اسلامی مملکت میں انسانوں (فقہاء) نے مرتب کئے تھے۔اور جن کے قرآنی، ابدی اور غیر متبدل ہونے کی کوئی سند نہیں تھی!۔''۔۔

طلوعِ اسلام، مئی جون، 1982ء، صفحہ نمبر 7-6:۔''سیکولر قوانین کی تدوین اور تنفیذ کے سلسلہ میں مسئلہ بڑا آسان ہوتا ہے۔اس میں کسی قانون کے صحیح یا غلط ہونے کا کوئی خارجی معیار نہیں ہوتا۔قوانین سازی کے جو طریق دستور کی رو سے طے ہوں، جو قوانین اس کے مطابق مرتب ہوں انہیں صحیح کہا جائے گا۔جو اس کے خلاف، انہیں غلط۔اگر کوئی قانون غلط مرتب ہوگیا ہے تو دستوری طریق کے مطابق اس کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔اس میں جوابدہی بھی پارلیمان یا (زیادہ سے زیادہ) سربراہِ مملکت تک محدود ہوتی ہے۔لیکن اسلامی قوانین کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے۔اس میں، کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے لئے، ایک مستقل، غیر متبدل خارجی معیار ہوتا ہے، جو اُس خدا کا متعین فرمودہ ہے جس نے اسلام کو بطور نظامِ زندگی منتخب کیا ہے۔کسی کی ہزار نیک نیتی بھی کسی غیر اسلامی قانون کو اسلامی نہیں بناسکتی۔پھر، اس کی جوابدہی

بھی بارگاہِ خداوندی میں ہوتی ہے جس کا سلسلہ، درازاِس دنیا سے شروع ہو کر اُخروی زندگی تک پہنچتا ہے۔ وہاں آپ یہ کہہ کر نہیں چھوٹ جائیں گے کہ ہم نے اس قانون کو نہایت نیک نیتی سے اسلامی سمجھا تھا۔ یا یہ کہ اسلامی نظریاتی کونسل یا کسی شرعی عدالت نے اسے اسلامی قرار دیا تھا۔ جوابدہی، ان قوانین کو نافذ کرنے والوں کی ذاتی ہوگی۔ اور یہ بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکے گا۔ اس میں تو سب سے پہلے یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ جو حکومت ان قوانین کو اسلامی کہہ کر نافذ کر رہی ہے۔ وہ اس خارجی معیار کے مطابق، خود بھی اسلامی ہے یا نہیں۔ کسی غیر اسلامی حکومت کی طرف سے اسلامی قوانین نافذ نہیں ہو سکتے۔ (مثلاً) اگر بھارت میں شراب کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا جائے تو اس کے اس قانون کو اسلامی نہیں کہا جائے گا حالانکہ اس کے مطابقِ اسلام ہونے میں کسی کو شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ یہ وجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے نفاذ کے لئے جماعتِ مومنین کی اپنی آزاد مملکت کے قیام کو لاینفک قرار دیا ہے۔ اسلامی مملکت کے قیام سے درحقیقت ایک ایسا نظام قائم یا ایسی فضا پیدا ہوتی ہے جو منشاء خداوندی کو پورا کرتی ہے۔ احکامِ خداوندی اس فضا میں نفاذ پذیر ہونے سے اپنا مقصد پورا کرتے ہیں۔ ان قوانین کو غیر اسلامی فضا میں، میکانکی طور پر نافذ کرنے سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس مقصد کی دو بنیادی خصوصیات ہیں۔ اوّل یہ کہ اس میں کوئی فرد اپنے رزق کے لئے کسی انسان کا محتاج یا رہینِ منت نہیں ہوتا۔ اس میں، تمام افرادِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کا پورا کرنا، مملکت کا فریضہ ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس میں کوئی فرد کسی کا محکوم نہیں ہوتا۔ تمام افراد احکامِ خداوندی کے پابند ہوتے ہیں۔ اس طرح اس فضا میں ہر فرد کی عزتِ نفس محفوظ ہوتی ہے۔ کوئی کسی کو ذلت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔۔۔۔ غیر اسلامی قوانین کو اسلامی کہہ کر نافذ کرنے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ انہیں اسلامی سمجھ کر ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس سے وہ جس گمراہی کا شکار ہوتے ہیں، اس کی ذمہ داری بھی ان کے سر پر عائد ہوتی ہے جو انہیں اسلامی کہہ کر نافذ کرتے ہیں۔ ان کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے کہ: لِيَحْمِلُوٓا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿16:25﴾ ۔ ''وہ اپنے جرائم کا بوجھ بھی پورا پورا اٹھائے ہوں گے اور اس کے ساتھ ان لوگوں کے بوجھ میں سے بھی جنہیں انہوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے گمراہ کیا ہوگا۔ سوچو! کہ یہ بوجھ کس قدر استخواں شکن ہوگا۔'' قوانین کو اسلامی کہہ کر نافذ کرنے والوں کو سوچنا ہوگا کہ کہیں وہ تو اس جرم کا ارتکاب نہیں کر رہے؟۔

وہ خارجی معیار جس کے مطابق کوئی قانون اسلامی یا غیر اسلامی قرار پاتا ہے، خود خدا کا مقرر کردہ ہے۔ ابدی ہے اور غیر متبدل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ:۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الکافرون (5:44)۔ ''جو قانون، خدا کی کتاب (قرآن) کے مطابق ہے وہ اسلامی ہے۔ جو اس کے مطابق نہیں، وہ اسلامی نہیں، کافرانہ ہے۔'' خدا نے بس یہی

ایک معیار مقرر فرمایا ہے۔اس کے سوا اس نے کوئی اور معیار مقرر نہیں فرمایا۔اس معیار کا انکار کفر ہے۔اور اس کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی معیار سمجھنا، شرک۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (12:40) ''خدا کے سوا کسی کو فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں۔اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کو صاحبِ اقتدار نہ سمجھو۔یہی محکم اسلامی نظام (الدین) ہے۔لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔''

شریعت بینچوں کی تشکیل:

طلوع اسلام اکتوبر 1983ء، صفحہ نمبر 38، 37:۔1979ء میں (جنرل ضیاء الحق کے دور میں) شریعت بینچوں کی تشکیل پر طلوع اسلام کا تبصرہ ملاحظہ ہو:۔''دین (الاسلام) کا منتہیٰ تمام نوع انسان کو ایک عالمگیر برادری کی شکل میں متشکل کر دینا تھا۔اس جامعیت کی بنیاد ضابطہء حیات وقوانین کی وحدت تھی جو خدا کی کتاب کے اندر محفوظ ہے۔اس عالمگیر برادری کی تشکیل کے پروگرام کی ابتداء ایک اُمت کی تشکیل سے کی گئی جسے امت مسلمہ یا جماعتِ مومنین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ ''الدین'' (الاسلام) اور وحدتِ امت لازم وملزوم ہیں۔۔۔صدرِ اوّل کے بعد یہ امت مختلف فرقوں میں بٹ گئی اور اس طرح ''الدین'' کی جگہ مذہب نے لے لی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ آزاد خطہء زمین کا مطالبہ اس لئے کیا گیا تھا کہ اس میں پھر سے امت میں وحدت پیدا کر دی جائے۔وحدتِ امت کی بنیاد وحدتِ قانون:۔ظاہر ہے کہ یہ وحدت، قانون کی وحدت کے بغیر ممکن نہیں تھی۔اور قانون کی وحدت کتاب اللہ کی بنیادوں پر قائم کی جاسکتی تھی۔ جسے تمام فرقے متفقہ طور پر ایمان کی بنیاد تسلیم کرتے ہیں۔لیکن ہمارے مذہبی فرقے اس کے لئے تیار نہ ہوئے کیونکہ امت کی وحدت سے فرقوں کا وجود باقی نہیں رہتا۔انہوں نے مطالبہ یہ پیش کیا کہ قانون کی بنیاد ''کتاب وسنت'' پر رکھی جائے۔بظاہر یہ مطالبہ بڑا معصوم اور مقدّس تھا لیکن اس سے مقصد فرقوں کے وجود کو باقی رکھنا اور امت میں وحدت پیدا نہ ہونے دینا تھا۔یہ نکتہ غور سے سمجھنے کے قابل ہے:۔یہ ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں ہر فرقہ کی اپنی اپنی فقہ (ضابطہء قانون) ہے۔اور یہ فقہیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ان فقہوں میں ایک اختلاف شیعہ اور سُنی کا ہے۔پھر سنیوں میں اہل حدیث اور اہل فقہ (حنفی حضرات) کا، اگر چہ حنفیوں میں بھی دیو بندی اور بریلوی حضرات میں عقائد کے اعتبار سے سخت اختلاف ہے۔بہر حال یہاں کم از کم تین فقہیں تو مسلّم ہیں۔شیعہ حضرات کی فقہ اہل حدیث کی فقہ۔اور حنفیوں کی فقہ۔ان میں سے ہر فرقہ اپنی فقہ، اور اس فقہ کے ہر حکم کے متعلق یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہے۔ان میں باہمی اختلافات کے سلسلہ میں جو مباحثے اور مناظرے ہوئے ہیں ان میں ہر فرقہ اپنے ہاں کی سنت کو صحیح قرار دیتا ہے اور دوسروں

کے ہاں کی سنت کو نا قابلِ اعتماد۔ان فقہوں کا تعلق بیشتر پرسنل لاز (یعنی شخصی قوانین) سے ہے۔انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں روش یہ اختیار کی کہ پرسنل لاز کی حد تک مسلمانوں کے ہر فرقہ کو اجازت دے دی کہ وہ اپنی اپنی فقہ پر عمل کرتے رہیں۔ پبلک لاز، حکومت نے اپنے احاطہء اختیار میں رکھ لئے ۔ان قوانین کا اطلاق تمام لوگوں پر یکساں ہوتا تھا۔ یہی صورتِ حال تشکیلِ پاکستان کے بعد یہاں بھی تھی۔لیکن اگر اس مملکت کو اسلامی بنانا تھا تو پھر یہ صورتِ حال باقی نہیں رہ سکتی تھی۔اسلامی مملکت میں پرسنل لاز اور پبلک لاز الگ نہیں ہوتے۔ایک ہی قانون ہوتا ہے جو ساری امت پر یکساں طور پر لاگو ہوتا ہے۔اس سے فرقوں کا وجود باقی نہیں رہتا۔لیکن یہ حضرات فرقوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔اس کے لئے انہوں نے یہ دعویٰ اور مطالبہ کیا کہ پرسنل لاز ہر فرقے کے اپنے اپنے ہوں گے۔اور پبلک لاز کتاب وسنت کی بنیادوں پر سب کے لئے مشترک بنائے جائیں گے۔۔۔طلوعِ اسلام نے کہا کہ کتاب وسنت کی بنیادوں پر کوئی پبلک لاء بھی ایسا مرتب نہیں ہو سکے گا جسے تمام فرقے مشترک طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔اور اس کی وجہ ظاہر تھی کہ سنت کے جس اختلاف کی بنیاد پر پرسنل لاء مشترک نہیں بن سکتا،سنت کے اسی اختلاف کی بناء پر ایک مشترک پبلک لاء کیسے وجود میں آسکتا تھا؟۔چونکہ یہ حضرات نہیں چاہتے تھے کہ سنت کا یہ اختلاف ایک حقیقت بن کر قوم کے سامنے آجائے،اس لئے انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ مشہور کر دیا جائے کہ طلوعِ اسلام منکرِ سنت ہے۔مودودی صاحب نے بیس برس کے بعد اس کا اعتراف تو کر لیا کہ کتاب وسنت کی بنیادوں پر فی الواقعہ پبلک لاء کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں ہوسکتا جسے تمام فرقے متفقہ طور پر تسلیم کر لیں۔لیکن مطالبہ اُن کا بھی یہی رہا کہ پبلک لاز کا ضابطہ، کتاب وسنت کے مطابق مرتب کیا جائے۔ان حضرات نے مطالبہ تو یہ جاری رکھا لیکن ایسا کوئی موقعہ پیدا نہ ہونے دیا جس سے یہ حقیقت قوم کے سامنے ابھر آئے کہ سنت کے متعلق ان حضرات کے باہمی اختلافات اس قدر گہرے اور شدید ہیں کہ اس کی رو سے کوئی ایسا ضابطہء قانون مرتب نہیں ہوسکتا جسے یہ حضرات متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔شریعت بنچوں کی تشکیل سے متعلق مذکورہ بالا جیسے احکام اس قسم کا موقع بہم پہنچا دیں گے۔یہ ہے وہ وجہ جس کی بناء پر ہم نے اس فیصلے کو اہم ترین قرار دیا ہے۔یہ نکتہ ذیل کی مختصر مثالوں سے واضح ہوجائے گا۔۔۔۔(پرسنل لاز کے شریعت بینچوں کے حیطہء اختیار میں آنے کے بعد) ایک اہلِ حدیث،حنفیوں کے قانونِ طلاق کو چیلنج کر سکے گا کہ وہ سنت کے مطابق نہیں۔یہ چیلنج مناظرہ نہیں بلکہ ایک مقدمہ ہوگا جو عدالت میں زیرِ بحث آئے گا۔شریعت بینچ اس کے متعلق فیصلہ دے گا اور وہ فیصلہ ،ضروری مراحل طے کرنے کے بعد ملک کا قانون بن جائے گا جس کا اطلاق اہل حدیث اور حنفی حضرات دونوں پر یکساں ہو گا۔یہ قانون جس فرقہ کے خلاف جائے گا اس کا اس باب میں ردِعمل کیا ہوگا،اس کی بابت ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے۔یہ معاملہ

حکومت اور فرقہ کے مابین ہوگا۔اسی قسم کی صورت ہر قانون کے بارے میں ہوگی۔اور شیعہ، سُنی، حنفی، اہل حدیث سب فرقوں کو متاثر کرے گی۔اگر شریعت بینچوں کے اس قسم کے فیصلے برقرار رہے تو رفتہ رفتہ قانون کی وحدت پیدا ہوجائے گی اور فرقے باقی نہیں رہیں گے۔۔۔یہ خواب بڑا حسین ہے۔دیکھیں اس کی تعبیر کیا نکلتی ہے۔۔۔شریعت بینچوں کے فیصلے کا مدار قرآن وسنت سے مطابقت ہوگا۔ابھی تک ہم نے سنت کے بارے میں اختلافات کا ذکر کیا ہے لیکن ایسے قوانین بھی تو ہوں گے جو سنت کے مطابق لیکن قرآن کے خلاف ہوں گے (جیسے قانونِ وصیت یا سنگسار کرنے کا قانون) ایسے قوانین کی صورت میں معلوم نہیں شریعت بینچ کیا فیصلہ دے گی اور کس طرح فیصلہ کرے گی؟۔اگر وہ سنت کے مطابق قانون مرتب کریں گے تو وہ قرآن کے خلاف جائے گا اور قرآن کے مطابق فیصلہ دیں گے تو وہ سنت کے خلاف ہوگا۔اور شرط ان پر یہ عائد کی گئی ہے کہ ان کا فیصلہ کتاب اور سنت دونوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔۔۔ہم سمجھتے ہیں کہ اگر شریعت بینچوں سے متعلق احکام پر محکمیت سے عمل درآمد کیا گیا اور شریعت بینچوں نے عادلانہ دیانتداری کو ملحوظ رکھا (جس کی ہمیں پوری پوری توقع ہے) تو رفتہ رفتہ تمام قوانین کتاب اللہ کے مطابق مرتب ہوتے جائیں گے۔اور سنت کے صحیح اور غلط ہونے کے متعلق یہ معیار تسلیم کیا جائے گا کہ وہی سنت، سنتِ رسول اللہ ﷺ ہوسکتی ہے جو کتاب اللہ کے مطابق ہو۔اس اعتبار سے دیکھئے تو (شریعت بینچوں کی تشکیل کا) یہ فیصلہ ایک عظیم انقلاب کا پیش خیمہ قرار پاسکتا ہے لیکن اس پر عمل درآمد کے لئے بڑی مومنانہ فراست اور قلندرانہ جراءت کی ضرورت ہوگی۔۔۔یادرکھئے! وحدتِ اُمت اور اس کے بعد وحدتِ انسانیت کا مدار وحدتِ قانون پر ہے اور قانونی وحدت اسی صورت میں پیدا ہوسکتی ہے جب اس کی بنیاد کتاب اللہ پر ہو جو تمام نوعِ انسان کے لئے ضابطہء حیات ہے۔''

قانون دان حضرات سے:

طلوعِ اسلام اپریل 1981ء، ص:39:۔''ذیل کا مراسلہ گہری توجہ کا متقاضی ہے کیونکہ اس میں ایک اہم قانونی نکتہ اٹھایا گیا ہے۔''دستورِ پاکستان (1973ء) کی شق نمبر 227 میں کہا گیا ہے کہ تمام مروجہ قوانین کو کتاب وسنت میں مذکور اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا، اور کوئی ایسا قانون نافذ نہیں کیا جائے گا جو ان احکام کے خلاف ہو۔'' سال گزشتہ (1980ء) اس شق میں جو ترمیم کی گئی ہے اس میں کہا گیا ہے:۔جب مسلمانوں کے کسی فرقہ کے شخصی قانون پر اس شق کا اطلاق ہوگا تو کتاب وسنت کی اصطلاح سے مراد وہ مفہوم ہوگا جو وہ فرقہ اس اصطلاح سے لیتا ہے۔۔۔اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ شخصی قوانین کی فہرست کسی جگہ نہیں دی گئی۔عام طور پر ان سے مراد نکاح، طلاق، وراثت، وصیت وغیرہ سے

متعلق قوانین لئے جاتے ہیں۔قرآن مجید کی نصوص صریحہ کی رو سے،فرقہ بندی شرک ہے۔اس لئے میں کسی فرقہ سے متعلق نہیں۔قرآن مجید میں جو احکام بصراحت دیئے گئے ہیں، میں اپنے آپ کو انہی کا پابند سمجھتا ہوں۔(واضح رہے کہ میں فرقہ اہلِ قرآن سے بھی متعلق نہیں ہوں)۔اور شخصی قوانین کے متعلق اس میں بصراحت احکام موجود ہیں،اور انہی کو میں اپنی فقہ سمجھتا ہوں۔۔سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخصی معاملہ میں، میں قرآن مجید کے حکم کے مطابق عمل کروں تو کیا اسے،مندرجہ بالا ترمیم کی رو سے، قانوناً صحیح سمجھا جائے گا؟۔(مثلاً) وصیت کے متعلق مروجہ فقہ کا قانون قرآن مجید کے صریحی حکم کے خلاف ہے۔ اگر میں قرآن مجید کے حکم کے مطابق وصیت کروں تو کیا اسے قانوناً صحیح سمجھا جائے گا؟۔اس باب میں واضح راہنمائی فرمادیں۔"

طلوعِ اسلام:۔طلوعِ اسلام بھی فرقہ بندی کو شرک قرار دیتا ہے۔اور مروجہ فقہ کا کوئی فیصلہ جو قرآن کریم کے خلاف ہو،اسے خلافِ اسلام سمجھتا ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ مذکورہ بالا ترمیم کا یہ منشاء نہیں ہوسکتا کہ حکومت ہر مسلمان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی فرقہ سے متعلق ہو کر شرک کا مرتکب ہو۔احکامِ قرآنی تو بہر حال ہر فرقہ سے بلند و بالا ہیں،اور اگر کوئی مسلمان، شخصی قانون میں،قرآنی احکام کے مطابق عمل کرتا ہے تو اسے قانوناً صحیح تسلیم کیا جانا چاہیئے۔لیکن چونکہ اس سوال کا تعلق مروجہ قانون سے ہے،اس لئے ہم قانون دان حضرات سے درخواست کریں گے کہ وہ براہِ کرم اس باب میں ہمیں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔امید ہے کہ وہ ہم سے متفق ہوں گے کہ اسلام کی رو سے یہ نکتہ بڑا اہم ہے۔اس لئے اس میں ان کا تعاون نہ صرف ہمارے لئے باعثِ شکریہ ہوگا، بلکہ پوری امت کے نزدیک موجبِ تحسین۔طلوعِ اسلام ان حضرات کے جواب کے لئے چشم براہ ہوگا۔"

وفاقی شرعی عدالت اور وکلاء:

طلوعِ اسلام جولائی 1986ء،ص:13:۔"بعض (اسلام کا درد دل میں رکھنے والے) حضرات مروجہ غیر اسلامی قوانین کو چیلنج کرنے کے سلسلہ میں وفاقی (یا سپریم کورٹ کی) شرعی عدالت میں پیش ہوتے ہیں۔تجربہ نے بتایا ہے کہ وہاں اس قسم کی الجھنیں سامنے آتی ہیں جن کی وجہ سے اصلی سوال ان کے غبار میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ہم ان حضرات کی خدمت میں (جو وہاں پیش ہوتے ہیں) گزارش کریں گے کہ وہ اصل سوال تک آنے سے پہلے،ذیل کے بنیادی سوالات کے جوابات متعین کرالیں۔اس سے اصل مسئلہ بآسانی حل ہوجائے گا۔:۔(1)۔سوال تصفیہ طلب یہ ہے کہ زیرِ نظر قانون اسلامی ہے یا غیر اسلامی۔کیا یہ بتایا جائے گا کہ کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے لئے معیار یا اتھارٹی کیا ہے؟۔جواب ملے گا

کہ جو قانون کتاب وسنت کے مطابق ہے وہ اسلامی ہے۔ جو اس کے خلاف ہے وہ غیر اسلامی ہے۔۔۔(2)۔سوال یہ ہے کہ کتاب سے تو مراد قرآن مجید ہے جو تمام مسلمانوں کے نزدیک متفقہ علیہ طور پر کتاب اللہ ہے۔ کیا یہ بتایا جائے گا کہ وہ کون سی کتاب ہے جس کے مندرجات تمام مسلمانوں کے نزدیک۔۔۔ متفقہ طور پر سنت رسول اللہ ﷺ ہیں؟۔ جواب ملے گا کہ سنت، حدیث کی کتابوں میں مندرج ہے۔ ان میں چھ کتابیں سنیوں کے نزدیک صحیح ترین ہیں۔ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ۔۔۔(3)۔سوال:۔ کیا ان کتابوں میں لکھی ہوئی ہر حدیث سنت ہے اور تمام سنیوں کے نزدیک متفق علیہ۔ یعنی کیا اسے ہر سنی مستند سنتِ رسول اللہ ﷺ تسلیم کرتا ہے یا ان میں باہمی اختلاف ہے؟۔ اگر ان میں اختلاف ہے تو پھر متفق علیہ مجموعہء سنت کون سا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر تو یہ سوال طے ہی نہیں ہوسکتا کہ فلاں قانون کتاب و سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟۔ جواب (غالباً یہی) ملے گا کہ اس کا فیصلہ ہم کریں گے کہ فلاں بات سنت ہے یا نہیں؟۔۔۔

(4)۔ اس ضمن میں پہلا سوال یہ ہے کہ دستور کی رو سے اس عدالت کا فریضہ یہ ہے کہ زیرِ نظر قانون کے متعلق طے کرے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق ہے یا نہیں؟۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کتاب وسنت، عدالت کے پاس پہلے سے موجود ہیں جن کے مطابق انہیں فیصلے کرنے ہیں۔ یہی اصول ہر عدالت کا ہوتا ہے کہ اس کے پاس وہ ضابطہء قوانین موجود ہوتا ہے جس کے مطابق انہیں متنازعہ فیہ معاملات کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ فریضہ مقننہ کا ہے کہ وہ متعین کرے کہ عدلیہ کو، فلاں ضابطہء قوانین کے مطابق فیصلے کرنے ہوں گے۔ عدلیہ کے پاس اگر وہ ضابطہ (سنت کا متفق علیہ مجموعہ) نہیں ہے جس کے مطابق انہوں نے متنازعہ امور کا فیصلہ کرنا ہے تو انہیں وہ ضابطہ مقننہ سے حاصل کرنا چاہیئے۔ اس ضابطہ کے بغیر تو یہ بحث ہی نہیں ہوسکتی کہ زیرِ نظر قانون سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟۔۔۔ جواب دیا جائے گا کہ قرآن مجید، ایک ضابطہء احکام موجود ہے۔ لیکن اس کے احکام میں بھی تاویل وتشریح کی گنجائش ہوتی ہے۔ یہی صورت سنت کی سمجھ لیجئے۔۔۔(5)۔سوال:۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جب قرآن کی کوئی آیت پیش کی جاتی ہے تو بحث طلب امر یہ نہیں ہوتا کہ وہ قرآن کی آیت ہے یا نہیں؟۔ ہر مسلمان اسے قرآن کی آیت تسلیم کرتا ہے لیکن جب کسی بات کو حدیث یا سنت کہہ کر پیش کیا جائے تو پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے بھی یا نہیں؟۔ اور ساری بحث اسی محور کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ عدلیہ کے پاس (قرآن کی طرح) ایک ایسی کتاب کا ہونا ناگزیر ہے جس میں مندرج سنت تمام مسلمانوں کے نزدیک مستند اور مصدق سنت ہو۔ اس کے بعد سوال یہ نہیں پیدا ہوگا کہ فلاں سنت، سنت ہے یا نہیں؟۔ اس کے بعد ساری بحث قرآن کی آیت اور اس سنت کے گرد گھومے گی اور یوں یہ فیصلہ ہوسکے گا کہ زیرِ نظر قانون، کتاب وسنت کے مطابق ہے یا نہیں؟۔ موجودہ حالات میں

تو کوئی مقدمہ بھی، دستور اور قانون کی روشنی میں شرعی عدالتوں میں چل ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ ان کے پاس ضابطۂ قوانین (سنت) کی ایسی کتاب ہے ہی نہیں جسے فیصلہ کا معیار قرار پانا ہے۔۔۔آپ (وفاقی شرعی عدالت میں پیش ہونے والے حضرات) ان سوالات کو پورے اعتماد کے ساتھ اٹھائیے کیونکہ اس وقت پاکستان ہی میں نہیں، کسی ملک میں بھی کوئی ایسا مجموعہ موجود نہیں ہے جسے تمام مسلمان مستند سنت تسلیم کریں۔ سنت کا مجموعہ تو ایک طرف، سنت کی۔۔۔(Definition) تک متفق علیہ نہیں۔ ایک فریق کے نزدیک ہر حدیث سنت ہے۔ دوسرے کے نزدیک حضور ﷺ کے صرف وہ اعمال سنت ہیں جنہیں آپ ﷺ نے بہ حیثیت رسول سرانجام دیا، اور التزاماً سرانجام دیا۔ اور حدیث کے کسی مجموعہ میں یہ وضاحت نہیں کہ حضور ﷺ نے کس کام کو بہ حیثیت رسول سرانجام دیا تھا۔ ہر فرقہ جن امور کو چاہے سنت قرار دے دیتا ہے۔ لیکن کسی قانون کو کتاب و سنت کے مطابق قرار دینے کے لئے تو اس سنت کی ضرورت ہوگی جسے تمام مسلمان متفقہ طور پر سنت تسلیم کریں۔ ایسا مجموعہ کہیں موجود نہیں۔۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اربابِ مذہب نے اس سوال کو ایسا نازک بنا رکھا ہے کہ جونہی کسی نے اسے چھیڑا، انہوں نے اسے "منکرِ حدیث" قرار دے کر معاملہ ختم کر دیا۔ لیکن اب تو اس سوال نے آئینی اور قانونی حیثیت اختیار کر رکھی ہے۔ اس لئے وفاقی شرعی عدالت کے جج صاحبان، حکومت کی وزارتِ قانون، اور وزارتِ امورِ مذہبیہ، نیز ملک کے قانون دان طبقہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس بنیادی مسئلہ کو حل کریں تاکہ قانونی مسائل اس گرداب سے نکل سکیں جس میں وہ اس وقت بری طرح پھنس رہے ہیں۔۔۔ وفاقی شرعی عدالت سے یہ بھی پوچھئے کہ اگر ایک قانون قرآن کے خلاف اور سنت کے مطابق ہو تو اسے اسلامی قرار دیا جائے گا یا غیر اسلامی؟۔"

(ختم شد)

ضرورتِ رشتہ

(1) بیٹی، تعلیم ایم۔اے، عمر 28 سال۔ (2) بیٹا، تعلیم انجینئرنگ، گورنمنٹ ملازم، عمر 26 سال۔ (3) بیٹا، تعلیم ایم۔اے، گورنمنٹ ملازم عمر 24 سال۔ قرآنی تعلیم سے آراستہ فیملی سے، بیٹی کے لیے برسرروزگار اور بیٹوں کے لیے غیر ملازم بیٹیوں کے رشتے درکار ہیں۔

برائے رابطہ: 0320-1767734

قارئین کرام نوٹ فرمائیں کہ ضرورتِ رشتہ کے ایک اشتہار کی قیمت مبلغ-/2000 روپے کر دی گئی ہے۔ نیز واضح رہے کہ ادارہ رشتہ کے سلسلہ میں کسی قسم کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔ گذارش ہے کہ اس سلسلہ میں تمام تر ذمہ داری والدین کی ہوگی۔ شکریہ!

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام، لاہور

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب کے ایک مضمون پر تبصرہ

محترم جناب ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب پاکستان کی مشہور و معروف شخصیت ہیں۔ وہ بین الاقوامی شہرت کے سائنسدان ہیں۔ چونکہ وہ بڑے مقام کے حامل ہیں ہمارا اُن سے براہ راست تو کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ چونکہ انہوں نے پاکستان کی خدمت کی ہے اس لیے ان کا احترام اور ان کی محبت ہمارے دل میں پیوست ہے۔ کافی عرصہ سے ان کے مضامین مشہور ڈیلی روزنامہ ''دی نیوز'' میں ہر پیر کے روز طبع ہو رہے ہیں۔ اس حالیہ پیر مورخہ 13 جولائی 2015ء کے پرچہ میں بھی ڈاکٹر صاحب کا ایک مضمون بعنوان ''حضرت معروف کرخیؒ'' طبع ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے مقام اور ان کے مشہور سائنسدان ہونے کی وجہ سے ہم ان کے مضامین مسلسل مطالعہ کرتے آ رہے ہیں۔ مگر ہر مضمون کے بعد ہماری مایوسی میں اضافہ ہوتا گیا اور ہمارا رنج بڑھتا گیا۔ مذہب اور روحانیت یہ دونوں الفاظ قرآن میں نہیں آئے ہیں۔ لیکن ان دونوں کا اثر اتنا گہرا ہوتا ہے کہ پھر حضرت مولانا طارق جمیل جو بڑے پایہ کے عالم اور خطیب ہیں اور ڈاکٹر عبدالقدیر جو اتنے ہی بلند پایہ کے سائنسدان ہیں۔ دونوں صاحبانِ بلند مقام، ایک ہی ذہنیت کے حامل بن جاتے ہیں۔ آج کل ماہِ رمضان کے دوران حضرت القدس مولانا طارق جمیل صاحب کی تقاریر بھی کئی چینلز پر جاری ہیں ان کی شہرت کا یہ عالم ہے کہ ان کی ہر تقریر میں ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے اور اس مجمع میں Pin Drop Silence ہوتی ہے۔ ملک کی بڑی بڑی شخصیات ان سے ''روحانی'' استفادہ حاصل کرتی ہیں۔ یہ دونوں عالی مقام حضرات روحانیت کے قائل اور اس کے داعی ہیں۔ روحانیت بالکل ایک بے معنی لفظ ہے جس قوم نے روحانیت کو اپنا مقصدِ حیات بنایا وہ ہمیشہ تباہ و برباد ہوئی۔ روحانیت ہی مسلمانوں کے زوال کا سبب ہے اور اقامت دین میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا مضمون تین کالمز پر مشتمل ہے۔ مختصر ہی مضمون ہے۔ شروع میں اپنے وطن بھوپال کا تذکرہ کیا ہے۔ ہمارے موضوع سے متعلق جو پیراگراف ہیں پہلے ہم ان کا ترجمہ یا ملخص تحریر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے مضمون پر تبصرہ عرض کریں گے۔

ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ بھوپال کے مسلمان مذہبی تھے اور وہاں بہت سے اولیاء اللہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے خدائی قوتوں سے نوازا تھا ''whom allah has blessed with divine powers'' ان اولیاء اللہ میں سے ایک پیر خالد میاں تھے۔ وہ بہت بڑے عالم تھے اور مسجد میں درس دیتے تھے۔ ایک مرتبہ جب اولیاء اللہ کا ذکر ہو رہا

تھا تو پیر خالد میاں نے حضرت معروف کرخی کا تذکرہ کیا تھا اور کہا تھا کہ حضرت معروف کرخی کو اللہ تعالیٰ نے divine power سے نواز رکھا تھا اور پیر خالد میاں نے ہمیں بھی حضرت معروف کرخی کی Blessings حاصل کرنے کی ہدایت کی تھی۔ وقت گذرتا گیا اور میں یہ واقعہ بھول گیا۔ حال ہی میں میں شیخ فریدالدین عطار کی کتاب تذکرۃ الاولیاء پڑھ رہا تھا۔ اس کتاب میں میں نے ایک مقام پر پڑھا کہ حضرت سری صدقی نے فرمایا کہ انہیں خود حضرت معروف کرخی نے کہا تھا کہ جب اللہ سے دعا کرو تو ان کی برکات حاصل کرلیا کرو تو اللہ ان کی دعا قبول فرمائے گا۔

ایک روز حضرت کرخی کے چچا نے دیکھا کہ حضرت کرخی ایک کتے کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ ان کے چچا نے ان کو برا کہا اور کہا کہ اُنہیں اس فعل سے شرم آنی چاہیے۔ انہوں نے فرمایا کہ بیشک میں اللہ سے شرمندہ ہوں اسی وجہ سے میں اس کتے کے ساتھ کھانا کھا رہا ہوں۔

حضرت سری صدقی نے فرمایا کہ حضرت کرخی نے ان سے کہا تھا کہ اگر اُنہیں کوئی چیز درکار ہو تو وہ ان کا (حضرت کرخی کا) حوالہ دے کر دعا کریں تو ان کی دعا پوری ہوگی۔

حضرت معروف کرخی نے لوگوں کو پانچ امور کی ہدایت کی جن کی تفصیل ڈاکٹر صاحب نے تحریر کی ہے۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی خواہشات پر قابو حاصل کرو اور اللہ کو یاد کرو۔ جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ کو عزیز ہوتا ہے۔ اور جو اللہ کو عزیز ہوتا ہے اس کے لیے بُرائی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

حضرت کرخی کی خواہش تھی کہ اُنہیں بغیر کفن کے دفن کر دیا جائے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ وہ جب پیدا ہوئے تو عریاں تھے اور وہ اسی طریقہ سے جانا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے مضمون کا اگلا حصہ پڑھیے اور سر پیٹ کے روییے، کہ یہ الفاظ ایک بڑے سائنسدان کے آپ پڑھ رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے کہیں پڑھا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی حضرت معروف کرخی کی قبر پر فاتحہ پڑھ رہے تھے اور ان کی دعا بھی طلب کی۔ قبر سے آواز آئی جو سنی گئی ''عبدالقادر تمہیں اللہ نے بڑا مرتبہ دیا ہے تم میرے لیے دعا کرو۔''

A voice from the grave was heard saying:"Abdul Qadir! You have been given a very high status by Allah; You please pray for me."

ڈاکٹر صاحب کے اقتباسات کا جو ترجمہ ہم نے پیش کیا ہے مضمون کی طوالت کے باعث ہم ان پر تبصرہ نہیں کر رہے ہیں۔ البتہ ایک اصولی بات ہم تحریر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کو خدائی

اختیارات Divine Power دے دیتا ہے تو یہ بات درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اختیارات کسی کو نہیں دیتا۔ جب کوئی قوت اپنے اختیارات دوسرے کو دیدیتی ہے۔ تو جب تک وہ ان اختیارات کو واپس نہ لے لے، وہ اختیارات اس کے پاس نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق اس قسم کا تصور بالکل غلط ہے یہ تصور عیسائیوں کے Popes کا پیدا کردہ ہے۔ وہ کہتے تھے کہ خدا نے اپنے اختیارات انہیں تفویض (Delegate) کر دیئے ہیں۔ لہٰذا ان کا حکم بھی خدا کا حکم ہے اور وہ خدائی اختیارات کے مطابق انسانوں پر حکومت کر سکتے ہیں۔

اگر مضمون کے شروع میں یہ بات تحریر نہ ہو کہ یہ ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب کا مضمون ہے تو سب قارئین کرام یہی خیال فرمائیں گے کہ یہ کسی صوفی صافی، یا کسی مولوی کا مضمون ہے۔ مولویت کسی طبقہ تک محدود نہیں ہوتی۔ مولویت ایک ذہنیت کا نام ہے جس کا دارومدار دو ستونوں پر ہوتا ہے ان میں سے ایک ستون روحانیت ہے اور دوسرا ستون پرستش ہے۔ قارئین کرام کو یہ بات بالکل واضح ہونی چاہئے کہ قوموں کی زندگی کا دارومدار نظام ہائے حیات پر ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کا نظام ہی زندگی کش اور باطل بنیادوں پر استوار ہو وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ مسلمانوں کا ادبار دور کرنے اور اس دنیا میں مرتبہ حاصل کرنے کا واحد ذریعہ قرآن کریم کے عطا کردہ نظام کو جاری کرنا ہے۔ ارشادِ عالی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (40:60) ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو اللہ کی محکومیت اختیار کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے۔ قرآن کریم کی اس آیت میں جو حقیقت بیان ہو رہی ہے وہ کوئی نظری و ذہنی چیز نہیں ہے۔ یہ ہمارے سامنے اپنا مشاہدہ ہے۔ پاکستان اس وعدہ پر بنایا گیا تھا کہ اس خطۂ زمین پر اللہ کا نظام جاری ہوگا۔ لیکن ہم نے اس سے استکبار کیا، لہٰذا قرآن کی یہ حقیقت سامنے آ گئی اور ہم سب جہنم میں داخل ہو گئے اور ہم اب جہنمی زندگی گزار رہے ہیں۔ قرآن کریم نے فرمایا كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ (22:22) وہ جب بھی اس جہنم سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس میں لوٹا دیئے جاتے ہیں۔ پاکستان کا ہر شخص اس جہنم سے نکل کر دوسرے ملکوں میں رہنا چاہتا ہے۔ لیکن ان ملکوں کا Green Card نہیں ملتا اور بعض اوقات تو کئی سال رہنے کے بعد واپس کر دیئے جاتے ہیں۔ پاکستان کی بدقسمتی یہ ہے کہ اب یہ ''مولوی ذہنیت'' صرف مولویوں تک محدود نہیں رہی۔ بلکہ اب ''ڈڑھ منڈے''، مغربی لباس، ٹائی پینٹ میں ملبوس لوگ بھی مولوی ہیں اور اس نے پاکستان کو مزید برباد کیا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ اسلامی نظام یا اقامت دین کی دو واضح شرائط یا نشانیاں ہیں۔ پہلی بات یہ کہ دین میں پرستش کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی نہ ہی اس میں الگ پرستش گاہیں ہوتی ہیں دین میں ہر وہ مقام جہاں سے قوانین خداوندی جاری ہوتے ہیں مساجد اللہ ہوتے ہیں۔ دین میں پارلیمنٹ عدالتیں، تھانے، تحصیل سب مساجد اللہ ہوتے ہیں۔ دین میں خطیب اور تھانیدار ایک ہی ہوتا ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ دین یعنی اسلامی مملکت کی

اطاعت ہی عبادت خداوندی ہوتی ہے۔ٹریفک قوانین کی پابندی، حکومت کے بلوں کی ادائیگی عبادت خداوندی ہوتی ہے اور ان کی عدم ادائیگی معصیت خداوندی ہوتی ہے۔دین میں Sin اور Crime ایک ہی ہوتے ہیں۔اقامت دین میں سب سے بڑی رکاوٹ پرستش اور روحانیت کا عقیدہ ہوتے ہیں۔

جہاں تک ڈاکٹر صاحب کے مضمون کا تعلق ہے اس سے ان کے عقائد ونظریات کا بخوبی علم ہوتا ہے۔انہوں نے اپنے اس مضمون میں دو باتوں کا واضح طور پر تذکرہ کیا ہے۔ایک تو انہوں نے اولیاء اللہ کا حوالہ دیا ہے اور دوسرے ذکر خداوندی کا حوالہ دیا ہے کہ ذکر خداوندی کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کو عزیز ہوجاتا ہے۔بالواسطہ تو ڈاکٹر صاحب کے اور نظریات بھی سامنے آتے ہیں لیکن ان کے مضمون میں واضح حوالے یہ دو ہی ہیں ایک اولیاء، دوسرا ذکر خداوندی ان دونوں امور میں ڈاکٹر صاحب تصورات قرآن کے خلاف ہیں۔ہم ان دونوں عقیدوں کی قرآنی تشریح وضاحت سے عرض کرتے ہیں۔

ہمارے ہاں اولیاء اللہ کا ایک عجیب تصور ہے جو بالکل قرآن کے خلاف ہے۔عام خیال یہ ہے کہ اولیاء اللہ کا ایک خاص گروہ ہے جو عام مسلمانوں سے الگ ہے۔ان حضرات میں وہ خصوصیات اور خوبیاں موجود سمجھی جاتی ہیں جو عام مسلمانوں میں نہیں ہوتیں۔ان کی عبادت کے طور طریقے الگ ہیں۔وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں۔وہ دوسروں کے دلوں کا احوال تک جان سکتے ہیں۔وہ لوگوں کی مرادیں پوری کردیتے ہیں۔لوگوں کی حاجات پوری کرنے کے علاوہ وہ لوگوں کی تقدیر بھی بدل سکتے ہیں۔ان کی خدمت، اور ان کی رضامندی دنیا اور آخرت کو سنوار دیتی ہے۔اُنہوں نے جس پر کرم کیا اس کا بیڑا پار ہوا، وہ جس سے ناراض ہوگئے اس کی دنیا اور آخرت بھی تنگ ہوگئی۔مرنے کے بعد وہ لوگوں کی دعائیں سنتے ہیں۔ان کی مدد کو پہنچتے ہیں۔جس طرح دنیاوی حکومتوں کو چلانے کے لیے بڑے بڑے عہدہ دار ہوتے ہیں، اسی طرح محکمۂ قضاء قدر کی طرف سے دنیاوی امور کا انتظام اولیاء اللہ کے سپرد ہوتا ہے۔کائنات کا نظم ونسق ان کے سپرد ہوتا ہے۔جب قیامت واقع ہوگی تو ہر شخص اپنی اپنی مصیبت میں مبتلا ہوگا۔وہاں یہ اولیاء اللہ ہی اپنے مریدوں کو جنت میں لے جائیں گے۔اولیاء اللہ کا یہ تصور بالکل قرآن کے خلاف ہے۔اب آپ اولیاء اللہ کا قرآنی تصور ملاحظہ فرمائیں۔

اولیاء لفظ ولی کا جمع ہے اور اس کے معنی دوست کے ہوتے ہیں اور عربی زبان میں عدو (دشمن) اس کی ضد ہے۔اگر کسی کے سامنے عَدُوٌ کا مفہوم واضح ہوجائے تو ولی کا مفہوم از خود سامنے آجاتا ہے۔ارشاد عالی ہے يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ (60:1) اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔اس آیت میں مومنین کے اپنے اور میرے (خود خدا کے) دونوں کے دشمنوں کے لیے حکم دیا گیا ہے کہ اُنہیں دوست نہ بناؤ۔مومنین کے اپنے دشمن تو واضح ہیں کہ کفار ومشرکین مومنین کے دشمن ہیں۔جبکہ اللہ کے دشمن وہ ہیں جو اللہ کے نظام کے دشمن ہیں۔اس آیت نے واضح

کردیا کہ جو شخص اسلامی نظام کے دشمن ہوتے ہے وہ اللہ کے دشمن اور عدو اللہ ہے۔

اسی طرح سورہ الانفال میں ارشاد عالی ہے۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (8:60) ترجمہ: ان دشمنوں کے مقابلہ کے لیے جتنی قوت بھی ممکن ہو سکے مہیا اور تیار رکھو اسی طرح طاقتور گھوڑے (بھی تیار رکھو) تاکہ اس سے خدا کے اور اپنے دشمن کو ڈرا سکو۔ یہاں پھر عدو اللہ کو ''عدوّکم'' سے ملا کر یہ واضح کردیا گیا ہے کہ اللہ کا دشمن صرف وہ ہی ہوسکتا ہے جو اس کے نظام کا دشمن ہے۔

ان دو آیات سے عدوّ اللہ کا مفہوم واضح ہوگیا کہ اللہ کا دشمن وہ ہوتا ہے جو اس کے نظام کا دشمن ہے ورنہ اللہ سے کسی کی کیا دشمنی ہوسکتی ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ اللہ کا دوست صرف وہ ہی ہوسکتا ہے جو اسلامی نظام کو قائم کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ قرآن کریم میں جہاں اطیعو االلہ کا حکم آتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو تو اس سے مراد یہی ہوتا ہے کہ اللہ کے قانون یا اس کے نظام کی اطاعت کرو۔ اللہ کے ولی تو صرف وہ ہی ہوسکتے ہیں جو اس کے نظام کو قائم کریں اور اس کو مستحکم کریں۔

البتہ اتنی بات عرض کرنے کو ضرور دل چاہتا ہے کہ قرآن کی رو سے ولی اللہ وہ ہے جو اسلامی مملکت کی مدد کرے۔ پاکستان اسلامی مملکت نہیں ہے کیونکہ اسلامی مملکت کا کانسٹیٹیوشن قرآن ہوتا ہے۔ نیز یہ ہے کہ اسلامی مملکت کی اطاعت ہی عبادت خداوندی ہوتی ہے۔ تاہم یہ اُمید ہے کہ آئندہ دور میں پاکستان ایک اسلامی مملکت بن سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مملکت کی بڑی خدمت کی ہے اور اس کو استحکام پہنچایا ہے اور اس کو قوت بنایا ہے۔ اس اعتبار سے تو وہ خود ایک حد تک ولی اللہ کے زمرے میں آسکتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے ذکر خداوندی (Remember Allah) کو بھی بہت سراہا ہے اور اس کا تقاضہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ ذکر خداوندی کرنا بہت ضروری چیز ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک پرستش کی چند رسوم ذکر خداوندی ہے۔ تسبیح و مناجات، ھُوحق کے نعرے، نوافل، ورود و وظائف، تہجد وغیرہ کو ذکر خداوندی میں شامل کیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں ذکر خداوندی کا مفہوم اس سے بالکل الگ ہے۔ قرآن کریم کے رُو سے ذکر خداوندی سے مراد یہ ہے کہ انسانی زندگی کے ہر شعبے اور سفرِ حیات کے ہر موڑ پر قرآن کریم کے قوانین کو سامنے رکھا جائے قرآن کریم کو سامنے رکھ کر زندگی کے مسائل کا حل اس میں تلاش کیا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ قرآن کی منشا ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ آپ طاغوتی نظام میں تو زندگی بسر کریں، اپنے وضع کردہ کانسٹیٹیوشن کے مطابق اپنے مسائل حل کریں اور اس کے ساتھ ساتھ تسبیح کے دانوں پر اللہ کا نام گن کر، زبان سے اللہ اللہ کہہ کر ذکر خداوندی کرتے رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ طاغوتی نظام میں رہ کر قرآنی ''ذکر

خداوندی'' ہو ہی نہیں سکتا اور نہ ہی طاغوتی نظام میں رہ کر عبادت خداوندی ہوسکتی ہے اس میں صرف پرستش ہوسکتی ہے۔ جس شخص کو عبادت ایسے یا ذکر ایسے کرنا مقصود ہے اس کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ اقامت دین کے لیے سرتوڑ کوشش کرے۔ اس میں قوانین خداوندی کو جاری کرنا ہی ذکر خداوندی ہوتا ہے۔

ارشاد جناب باری ہوتا ہے یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ وَمَنْ یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰہُ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ (8:16)، ترجمہ: اے ایمان والو! جب میدانِ جنگ میں کافروں کا سامنا کرو تو ان سے پشت نہ پھیرو اور جو شخص اس وقت ان سے پیٹھ پھیرے گا مگر یہ کہ اس کا مقصد میدان میں پلٹ کر نیا حملہ کرنا ہو یا (مجاہدین کے) گروہ سے ملنا ہو تو (ایسا شخص) غضب پروردگار میں گرفتار ہوگا اور اس کی قرارگاہ جہنم ہے اور یہ کیسی بُری جگہ ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو جنگ میں حد درجہ ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے اور ایک اصول متعین کردیا ہے۔ اب آپ دوسرے مقام پر ایک آیہ مبارکہ ملاحظہ فرمائیں جہاں ارشاد ہوتا ہے یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (8:45)، ترجمہ: اے ایمان والو! جب (میدان جنگ میں) کسی گروہ کا سامنا ہو تو ثابت قدم رہو اور خدا کو زیادہ یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ اس آیۂ کریمہ میں '' اذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا '' یعنی خدا کو زیادہ یاد کرو کے معنی یہ نہیں کہ لڑائی کے دوران چلتی تلواروں میں تسبیح وتہلیل ونوافل شروع کردو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے ہم نے جو جنگ کے متعلق قانون دے رکھا ہے کہ جنگ میں ثابت قدم رہو۔ پشت نہ پھیرو، اس قانون کو پیش نظر رکھو۔ ذکر کا مطلب قانون خداوندی کو پیش نظر رکھنا ہے جنگ کے دوران پرستش شروع کرنا نہیں۔

مختلف احکامات دینے کے بعد فرمایا کہ تم اُنہیں ہمیشہ پیش نظر رکھو۔ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی وَبِعَھْدِ اللّٰہِ اَوْفُوْا ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (6:152)، ترجمہ: اور جب بات کہو تو حق کی کہو اگرچہ وہ اپنا قریبی بھی ہو اور اللہ کا عہد پورا کرو تم کو یہ حکم دیا گیا ہے تاکہ تم اس کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔ اس آیت سے ذکر کا مفہوم مزید واضح ہوگیا سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّکَّرُوْا (17:41) اور ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر سمجھایا تاکہ وہ (اُن احکام کو) ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ (3:190)، ترجمہ: ان صاحبان عقل و بصیرت اور ارباب فکر ونظر کے لیے جو زندگی کے ہر گوشے میں کھڑے، بیٹھے، لیٹے قانون خداوندی کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتے ہیں اور کائنات کی تخلیق ترکیب پر غور وفکر کرتے رہتے ہیں اور کائنات پر فکر کے بعد علی وجہ البصیرت پکار اٹھتے ہیں

کہ ''اے ہمارے نشوونما دینے والے تو نے اس کارگہِ ہستی کو نہ تو عبث و بیکار پیدا کیا اور نہ ہی تخریبی نتائج پیدا کرنے کے لیے۔ تیری ذات اس سے بہت بلند ہے اور یہ بات سے بہت بعید ہے کہ تو کسی شے کو بے مقصد اور بلاغرض یا تخریبی نتائج مرتب کرنے کے لیے پیدا کردے تو ہمیں توفیق فرما کہ ہم تباہ کن عذاب کی زندگی سے محفوظ رہیں۔

اس آیت کریمہ سے ذکر خداوندی کا مفہوم خوب واضح ہوجاتا ہے اس آیت میں یذکرون اللہ کی تفسیر یتفکرون کے لفظ سے کردی جس سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ذکر کے معنی قوانین خداوندی پر غور و خوض کرنا ہے۔

یہ آیۂ کریمہ خاص طور پر سائنسدان حضرات کے لیے خصوصی توجہ کی داعی ہے اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ سائنسدان حضرات اس میں جس قدر بھی ممکن ہے تحقیق و تدقیق کریں۔

مسلمان سائنسدانوں کا فریضہ ہے کہ وہ قوانین کائنات میں غور و فکر کریں اور تحقیق کے بعد ثابت کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا (38:27) اس کو بالحق پیدا کیا (16:3،15:85) کائنات کی پیدائش کو باطل سمجھنا کفر ہے۔ حضرت معروف کرخی، حضرت عبدالقادر جیلانی یہ دونوں حضرات اور جملہ اولیاء اللہ اس کائنات کے وجود کے ہی قائل نہیں۔ اس کے بعد اس کے بالحق یا باطل پیدائش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مسلمان اس وقت بڑی کرب کی حالت سے گذر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی جتنی حکومتیں ہیں، تمام حکومتوں کے نظام بوسیدہ، ازکاررفتہ اور باطل پر قائم ہیں۔ بلا اشتناء کسے۔ ان میں عوام کو کچھ Deliver کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ ان تمام ممالک کے حکمران اور لیڈر کرپٹ، خودغرض، اقتدار پسند اور اپنی عوام کو دھوکہ دینے والے ہیں۔ اگر اتفاق سے اچھے لیڈر آ بھی جائیں تب بھی وہ کچھ بھی Deliver نہیں کرسکتے کیونکہ ان نظاموں میں Deliver کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ چند مخلص شخصیات جن کو قوم میں کوئی مقام حاصل ہو اور جنہیں اپنا درد کم اور قوم کا درد زیادہ ہو، وہ آگے بڑھیں اور ان ممالک کے نظام تبدیل کریں۔ جب تک مسلمان ان ممالک کے کرپٹ اور باطل بنیادوں پر اٹھے ہوئے نظام تبدیل نہیں کریں گے مسلمان ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتے۔ اس وقت حضرت معروف کرخی کے حالات بیان کرنے کا موقع نہیں ہے، یہ بڑی آزمائش کا دور ہے۔ مسلمان اس بات کو محسوس نہیں کررہے کہ آئندہ مشرق وسطیٰ میں فرقہ بندی کی بنیاد پر کیا آگ لگنے والی ہے! ہماری ڈاکٹر صاحب سے گذارش ہے کہ وہ روحانیت کے چکر سے باہر نکلیں کیونکہ روحانیت کے تصور نے ہی مسلمانوں کو برباد کیا ہے۔ ان سے گذارش ہے کہ وہ دین کا نظام قائم کرنے کی کوشش کریں۔ ہر نبی کا فریضہ تھا کہ وہ اقامت دین اختیار کرے (42:13) اور آج ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ دین قائم کرے (4:60) جو طاغوتی نظام میں زندگی بسر کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے (4:97،40:60) مسلمانوں کے مصائب کا

علاج صرف اقامت دین میں ہے۔

ہماری ڈاکٹر صاحب سے درخواست ہے کہ وہ تحریک طلوع اسلام کا ساتھ دیں کیونکہ خلافت راشدہ سے لیکر آج تک تقریباً بارہ تیرہ سو سال کے بعد تحریک طلوع اسلام واحد تحریک ہے جو اقامت دین کے لیے اٹھی ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کا دین نہ صرف قائم ہوگا بلکہ تمام ادیان پر غالب ہو کر رہے گا (۔۔۔+۔۔۔+۔۔۔) قرآن کے اس وعدہ کے مطابق تحریک طلوع اسلام کی قسمت میں کامیابی لکھی ہوئی ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس تحریک کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ہماری دعا اور خواہش ہے کہ ڈاکٹر صاحب بھی اس خوش قسمتی سے اپنا حصہ حاصل کریں۔

اگر ڈاکٹر صاحب کو اقامت دین میں دلچسپی ہوئی تو انہیں باطل کی بنیادوں پر تعمیر شدہ نظام اور حق پر مبنی نظام کی وضاحت پیش کردی جائے گی اور کس طرح سے انسان اللہ تعالیٰ کا رفیق بن جاتا ہے۔ انسان کے لیے یہ بڑے شرف کا مقام ہے لیکن یہ صرف اسلامی نظام کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتا ہے اور قرآن کریم کی رو سے دعائیں بھی نظام کی معرفت ہی پوری ہوتی ہیں۔(۔۔۔+۔۔۔)

ڈاکٹر صاحب سے گذارش ہے کہ وہ دفتر طلوع اسلام سے رابطہ کریں یا ہمیں رابطہ کا شرف عطا کریں۔ ہمارا پتہ مضمون کے شروع میں درج کردیا گیا ہے۔

آخر میں ہم ڈاکٹر صاحب کی توجہ اس آیۂ کریمہ کی طرف مبذول کراتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ وہ اس آیت کا خود بھی مصداق ثابت ہوں ارشاد ہوتا ہے۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ (6:122) ترجمہ: تم اپنی اور ان کی حالت کا موازنہ یوں کرو کہ ایک شخص ذہنی طور پر مردہ ہو۔ اسے ازسرنو زندگی عطا ہو جائے یعنی اسے ایسی نورانی قندیل (قرآن) دیدی جائے جس سے وہ خود بھی روشنی میں چلے اور دوسروں کو بھی صحیح راستے پر چلائے۔ اس کے برعکس وہ شخص ہے جو سخت تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے اور ان سے نکلنا نہیں چاہتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں۔ ہرگز نہیں، یہی حالت ان صداقت سے انکار کرنے والوں کی ہے۔ اُنہیں چمگادڑ کی طرح اندھیرا بہت اچھا لگتا ہے اور روشنی بُری لگتی ہے۔ اس لیے یہ وحی خداوندی کی بجائے اپنے خود ساختہ روحانیت کے عقائد و رسوم میں خوش رہتے ہیں۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ (40:44)

ترجمہ: میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں عنقریب تم اُسے یاد کرو گے۔

نکل جاتی ہے سچی بات جس کے منہ سے مستی میں
فقیہ مصلحت بیں سے وہ رندبادہ خوار اچھا

ڈاکٹر انعام الحق ۔ اسلام آباد

باب المراسلات

ہماری تعلیمی درسگاہوں میں اسلامک سٹڈی میں نصابی نظامِ تعلیم کے مواد پر ایک نظر

میری طرف سے درجِ ذیل پوسٹ فیس بُک کے احباب کے سامنے رکھی گئی۔

''مَیں نے اپنی کتاب ''نظریہ خیر'' میں ایک جگہ یہ لکھا تھا کہ: لوگوں کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ مکتب ملا کا اسلام کا تصور علامہ اقبال نے مسجد کے امام کے رویہ کے تناظر میں پیش کیا ہے اور یہ کہ مکتبِ مُلا اور یونیورسٹی کے اسلامی سکالرز کی سوچ مختلف دوائر کے زاویہ نگاہ کے گرد گھومتی ہے۔ ان میں فرق سمجھنے والے زیادہ تر وہ اصحاب ہوتے ہیں جن کو ہماری یونیورسٹی کے اسلامی سکالرز کی سوچ اور رویہ کا ذاتی تجربہ نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کو حُسنِ ظن ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں مکتبِ مُلا اور عام کالج کے اسلامیات کے اساتذہ کے فہمِ اسلام اور خصوصی طور پر فہمِ قرآن کے طریقۂ کار میں نہ ہونے کے برابر فرق ہے۔

اس ضمن میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کرنے سے قبل یہاں میں محترم پرویز صاحب کا ایک تبصرہ بیان کرنا چاہوں گا۔

علامہ موصوف اپنے ہفتہ وار درسِ قرآن میں مزاح میں بات کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے لیکن اس کے استعمال میں بھی احتیاط برتتے تھے کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ اس لیے ایک دِن دورانِ درسِ قرآن یہ سُن کر تعجب ہوا جب وہ فرما رہے تھے کہ اگر آپ نے کسی کو دین سے برگشتہ کرنا ہو، تو اُسے یونیورسٹی میں ایم اے (اسلامیات) کی کلاس میں داخلہ دلوادیں۔ سمجھ میں یہی آ رہا تھا کہ شاید اتنی سنجیدہ بات وہ مزاح کے رنگ میں کہہ رہے ہیں، لیکن بی۔اے اور ایم۔اے کی اسلامیات کی کلاسز کو مروجہ نصاب کی رہنمائی میں گائیڈنس دیتے وقت مجھے یہ احساس ہوگیا کہ مزاح سے زیادہ معمول کے مطابق وہ حقیقت ہی کا اظہار کر رہے تھے۔

اسلام کی تعلیم وتبلیغ کا فریضہ، اللہ نے رسولوں کو بتایا ہے اور اسلامک سٹڈی کے اساتذہ بھی اِس فریضہ کے نبھانے کی وجہ سے عزت و اکرام سے دیکھے جاتے ہیں۔ ایسا کرتے وقت ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ خالص اللہ کے پیغام کی تعلیم وتبلیغ کا فریضہ بغیر کسی اجر اور احسان جتلائے ایمان کی حرارت سے کرتے ہیں۔ اِس کے برعکس ہمارے معاشرتی نظام میں احتیاجات کے پوری کرنے کے لئے باقاعدہ اجر لے کر انسانوں کے خودساختہ نصاب کے تحت تیار کردہ مواد کی روشنی میں یہ فریضہ ادا کیا جاتا ہے۔ دونوں ایک ہی فریضہ سرانجام دے رہے ہوں گے مگر اِس فرق کے ساتھ کہ مُلا کی اذان اور مُجاہد کی اذان اور'' مَیں نے یہ

پوسٹ بھیج کر ساتھ ہی درخواست بھی کر دی کہ میں ان کمنٹس کو آپ احباب کے سامنے اس اُمید سے پیش کر رہا ہوں کہ آپ کی آراء سے مستفید ہو سکوں اِس پر ایک صاحب نے مُجھ سے مروجہ نصاب کے حوالہ سے تلخ رائے دینے پر ثبوت میں کوئی ایک تجربہ پیش کرنے کا مطالبہ کر دیا، تو میں نے جواب میں درجِ ذیل واقعہ بیان کیا کہ ''ایک یونیورسٹی کی اسلامک سٹڈی کے ڈین سے گفتگو کے درمیان مجھے بتایا گیا کہ اُن کی یونیورسٹی اسلامک سٹڈی کے ایم-اے کے مضمون بعنوان قرآن میں سپیشلائزیشن کا ایک نیا علیحدہ مضمون ''عصرِ حاضر کے جدید مُنکرینِ احادیث/ رسالت'' کے نام کے تحت مُتعارف کرانے جا رہی ہے، جس میں اہل قرآن فرقہ کو بھی اِن منکرینِ کی فہرست میں شامل کر کے اِس کے سربراہ کے طور پر محترم پرویز صاحب کے نام کو متعارف کرایا جا رہا ہے۔ جب میں نے ڈین صاحب کی خدمت میں مکمل دلائل کے ساتھ اعتراضات پیش کرتے ہوئے اور اِن اعتراضات کے تسلی بخش جوابات اور مکمل ثبوت بھی فراہم کر دیئے کہ نہ صرف محترم پرویز صاحب کا فرقۂ اہل قرآن سے کسی قسم کا رابطہ یا تعلق نہیں رہا ہے، بلکہ وہ اُن کے عقائد کے خلاف قدِ آدم کے برابر اشتہارات چھپوا کر خود اپنے ہاتھوں سے چسپاں کرتے رہے ہیں۔ سبھی ثبوت دیکھ کر اور پوری طرح تسلی کرنے کے بعد موصوف نے وعدہ کیا کہ وہ محترم پرویز صاحب کے نام کو یونیورسٹی طلباء کی ہدایات کے لئے شائع کردہ نصابی کتاب میں فرقہ اہل قرآن کی لسٹ سے خارج کر کے مجھے فوری طور پر اِس کی اطلاع کریں گے۔ مجھے سات سال کا عرصہ گذرنے کے باوجود ابھی تک اطلاع موصول نہیں ہوئی اور نہ ہی مجھے اِس کا انتظار تھا، کیونکہ ایسے بیشتر اسلامیات پر لیکچر دینے والوں پر جب کبھی اعتبار کیا تو تجربہ ناکامی اور پشیمانی کی صورت ہی میں ظاہر ہوا۔

میرے کمنٹس کے جواب اور تائید میں ایک احباب میں سے درجِ ذیل شکل میں مراسلہ موصول ہوا کہ جن میں اُنہوں نے عام کالج کی کلاسز میں پڑھائی جانے والی مستند احادیث کی صحاح ستہ واحادیث پر ائمہ کرام کی تصنیف کردہ مشتمل کتب سے صحیح اور تواتر کے قریب کا درجہ قرار دی جانے والی روایات اکٹھی کر کے پیش کر دیں۔ اِس سے اُن کا مقصد میری رائے کی تائید کرتے ہوئے یہ بتلانا تھا کہ تعلیمی اداروں کے نصاب کے مستند قرار دی گئی کتب کا مواد طلباء کی پریشاں نظری کا سبب ہی بن رہا ہے۔

اِس سوشل میڈیا میں اب ہم ویسے ہی فیشن کے طور پر منفی رجحان کو چاہے وہ مذہبی، سیاسی، تاریخی اور معاشی مواد پر مبنی ہو، کو اکٹھا کر کے تختۂ مشق بنانے میں روز بروز اضافہ ہی دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا اسے دیکھ کر ایک حقیقی اور حتمی رائے بنانے سے پہلے مواد کی جانچ کرنے کے بعد ہی سامنے لایا جا رہا ہے۔

روایات کی رو سے عورت/ بیوی کی مرد سے کمتر حیثیت کا ثابت ہونا۔

☆ صالح عورت کی نشانی:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "آج تم کو جنتی عورت کے بارے میں نہ بتادوں وہ کون ہے؟ ہم نے کہا ضرور تو آپ نے فرمایا! شوہر پر فریفتہ ہونے والی، زیادہ بچے جننے والی، جب یہ غصہ ہو جائے، یا اسے کچھ برا بھلا کہہ دیا جائے، یا اس کا شوہر ناراض ہو جائے، تو یہ عورت (شوہر کو راضی کرتے ہوئے) کہے میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے میں اس وقت نہ سوؤں گی جب تک کہ تم خوش نہ ہو جاؤ۔" (ترغیب، ج:3،ص:37)

شوہر کی اطاعت ہر حال میں لازم:

☆ بی بی عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر آدمی اپنی بیوی کو حکم دے کہ وہ جبل احمر (پہاڑ) کو جبل اسود کی طرف منتقل کرے۔ یا جبل اسود (پہاڑ) کو جبل احمر کی طرف منتقل کرے، اس کا حق ہے کہ وہ ایسا کرے۔" (ابن ماجہ، مشکوٰۃ، ترغیب)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ: "ایک شخص گھر سے باہر جاتے ہوئے اپنی بیوی سے کہہ گیا کہ گھر سے نہ نکلنا۔ اس عورت کے والدین گھر کے نچلے حصہ میں رہتے تھے اور وہ گھر کے اوپر رہا کرتی تھی۔ والد بیمار ہوئے تو اس نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں بھیج کر عرض کیا اور معلوم کیا (کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر والد کی تیمارداری کر آئے)۔ آپؐ نے فرمایا اپنے شوہر کی بات مانو چنانچہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا پھر اس نے نبی پاک کے پاس آدمی بھیج کر معلوم کیا، آپ نے فرمایا شوہر کی اطاعت کرو۔ پھر نبی پاکؐ نے اس عورت کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ اللہ نے تمہارے شوہر کی اطاعت کی وجہ سے تمہارے والد کی مغفرت کر دی۔" (مجمع، ج:4،ص:316)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول پاکؐ نے فرمایا: "اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے۔" (ترمذی، ج:1،ص:138)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ﷺ نے فرمایا: "جب شوہر اپنی عورت کو بستر پر بلائے اور عورت نہ جائے تو فرشتے اس عورت پر صبح ہونے تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔" (بخاری، ج:2،ص:282)

☆ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "مرد جب اپنی ضرورت سے عورت کو بلائے تو عورت فوراً آجائے چاہے وہ تنور پر کیوں نہ بیٹھی ہو۔" (ترمذی، ترغیب)

☆ حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "عورت خدا کا حق ادا کرنے والی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ شوہر کا پورا حق ادا نہ کرے۔ اگر شوہر اسے بلائے اور وہ اونٹ کی پالان پر ہو تب بھی وہ انکار نہیں

کر سکتی۔'' (طبرانی، ترغیب)

خُلع کا مطالبہ کرنے والی عورت منافق ہے:

☆ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شوہر سے علیحدگی چاہنے والی خُلع کا مطالبہ کرنے والی عورت منافق ہے۔'' (مشکوہ، نسائی)

شوہر سے بلا اجازت نکلنے پر لعنت:

☆ ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب عورت شوہر کی ناراضگی میں نکلتی ہے تو آسمان کے سارے فرشتے اور جس جگہ سے گزرتی ہے ساری چیزیں انسان جن کے علاوہ سب لعنت کرتے ہیں۔'' (طبرانی، ترغیب)

کثرت سے بچے جننے والی عورت:

☆ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری عورتوں میں بہتر وہ ہے جو خوب محبت کرنے والی اور کثرت سے اولاد جننے والی ہو۔'' (بیہقی، کنز، جامع صغیر)

☆ عبداللہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خوبصورت بانجھ عورت کو چھوڑ دو اور کالی بچے جننے والی عورت کو اختیار کرو کہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔'' (اتحاف المہر ہ، ابویعلی)

عورت کا گھر سے باہر نکلنا:

☆ ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عورت پردہ ہے اور عورت جب گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکتا ہے۔ عورت کے بارے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ تقرب یہ ہے کہ وہ گھر کے کسی گوشہ میں رہے۔'' (ترمذی، طبرانی، کنز)

عورتوں کا تنہا سفر کرنا:

☆ ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت سفر نہ کرے ہاں مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو۔'' (طحاوی، بخاری)

عورت کے لیے دو ہی محفوظ مقام ہیں:

☆ ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں کے لیے دو ہی مقامات قابل ستر ہیں۔ ایک شوہر کا گھر اور دوسرا قبر۔'' (کنز العمال)

شوہر کے بھائی کے متعلق حکم:

☆ عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خبردار عورتوں کے پاس آنے جانے سے بچو۔ایک انصاری نے پوچھا دیور کے متعلق کیا حکم ہے(وہ بھابھی کے پاس نہ آئے جائے)۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ تو موت ہے۔'' (بخاری)

گھر کی کھڑکیاں، روشندان اور سوراخ:

☆ امام غزالی سے مروی ہے کہ حضرات صحابہؓ گھر کی کھڑکیاں اور روشندان جس سے باہر نظر آئے بند فرما دیا کرتے تھے تاکہ عورتیں باہر مردوں کو نہ جھانک سکیں۔

☆ حضرت معاذ بن جبل نے دیکھا کہ ایک عورت گھر کی کھڑکی سے باہر مردوں کو جھانک رہی ہے تو اسے انہوں نے پیٹا۔(اتحاف السادہ۔شرح احیاء)

عورت اور جوتی کا استعمال:

ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ: ''بی بی عائشہ سے پوچھا گیا عورتیں جوتا پہن سکتی ہیں؟ انہوں نے کہا رسول پاک نے لعنت فرمائی ہے ان پر جو عورتیں مرد کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔'' (ابوداود، مشکوہ)

عورتوں کا جامہ اور ٹخنے:

☆ انس بن مالک سے مروی ہے کہ: '' آپ ﷺ نے بی بی فاطمہ کو ایڑی کی جانب سے ایک بالشت کی اجازت دی اور فرمایا عورتوں کا کپڑا اتنا لٹکے۔یعنی ٹخنے کو چھپائے۔'' (مجمع الزوائد)

عورت کے لیے امارت و دنیاوی عہدہ:

☆ مروی ہے کہ: ''جب رسول اللہ کو خبر ملی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو تخت شاہی پر بٹھایا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنا حاکم اور والی عورت کو بنایا۔'' (بخاری، ترمذی، مشکوۃ)

عورتیں اور جہنم:

☆ ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ننانوے (99) عورتوں میں سے ایک عورت جنت میں جائے گی اور باقی جہنم میں۔'' (ابوالشیخ، کنز العمال)

☆ عمران بن حصین سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں رہنے والی عورتیں کم ہوں گی (یعنی مردوں

کے مقابلے میں عورتیں زیادہ جہنم میں ہوں گی)۔'' (بخاری)

عورت اور فتنہ:

☆ اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے اپنے بعد عورتوں کے فتنہ سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کو تکلیف دہ ہو۔'' (مشکوٰۃ)

☆ ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو۔ بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں کے سبب سے تھا۔'' (مشکوٰۃ)

عورت اور نحوست:

☆ ابن عمر سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نحوست تین چیزوں میں ہے۔ عورت، گھر اور گھوڑے میں۔'' (مشکوٰۃ، ابن ماجہ)

☆ عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی بیوی، خادم یا جانور حاصل کرے تو اسکی پیشانی پکڑ کر کہے: ''اے اللہ میں اس کی بھلائی آپ سے مانگتا ہوں۔ آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے اور اس کی خلقت وطبیعت کے شر سے۔'' (ابن ماجہ)

عورت کو مارنا پیٹنا:

☆ اشعث بن قیس سے روایت ہے کہ: ''حضرت عمرؓ نے دعوت کے روز جب رات ڈھلنے لگی تو آپ نے کھڑے ہوکر اپنی عورت کو مارا۔ میں ان دونوں کے درمیان آ گیا۔ جب وہ اپنے بستر پر جانے لگے تو مجھ سے کہا: یاد رکھ! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ مرد سے اپنی بیوی کو مارنے کے متعلق سوال نہ کیا جائے گا۔'' (ابن ماجہ)

اِن روایات کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کم از کم خواتین تو ایسی روایات کو نہیں مانتی ہوں گی جن میں قرآنی تعلیم کے خلاف مردوزن کے درجات میں اس قدر فرق کو ظاہر کیا گیا ہو، جو عملی طور پر بھی ناممکن ہیں۔ قرآن میں دونوں مردوزن کو احترامِ آدمیت کے تناظر میں بالخصوص ایک ہی پیمانے میں رکھ کر صرف احکامِ خداوندی کی اطاعت کا کہا گیا ہے۔ شوہر تو کُجا اللہ کی اطاعت کے منافی کسی بھی دوسرے کی اطاعت کو خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، سے ممانعت پائی جاتی ہے۔

قرآن میں ہے کہ:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (3:79)

کسی بشر کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ اس کو کتاب (ضابطۂ قوانین)، حکومت اور نبوّت تک بھی عطا کر دے، پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ اللہ کے قوانین کو چھوڑ کر میرے ذاتی احکامات کی اطاعت کرنے لگ جاؤ۔

اس آیت میں تین صاحب اقتدار گروہوں کا ذکر ہے:

(1) جسے الکتاب دی گئی یعنی قانون سازی کرنے والے لوگ؛

(2) جسے الحکم دیا یعنی قانون نافذ کرنے والے لوگ؛

(3) **والنبوۃ** جسے نبوّت دی گئی۔

ان میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خدا کی اطاعت کا مطالبہ کرنے کی بجائے، اپنی اطاعت کا مطالبہ کرنے لگیں، جیسا کہ اِن روایات میں بیوی کو آنکھ بند کر کے شوہر کی بے جا خواہشات کی اطاعت کرنے پر راغب کیا جا رہا ہے۔

دین کی غرض و غایت انسان (انسان میں دونوں مرد و زن آجاتے ہیں) کو ہر قسم کی محکومیت سے آزاد کر کے حقیقی آزادی اور احترامِ انسانیت سے ہم کنار کرنا ہے۔

احترامِ آدمیت:

چونکہ انسانی ذات ہر انسانی بچہ کو بغیر کسی امتیاز کے یکساں طور پر ملتی ہے، اس لیے ہر انسان محض انسان ہونے کی حیثیت سے یکساں واجب الاحترام قرار پاجاتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ:

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيٓ ءَادَمَ (17:70)

''یہ حقیقت ہے کہ ہم نے تمام فرزندانِ آدم کو واجبُ التکریم بنایا ہے۔''

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہر انسانی بچے کو، خدا کی طرف سے ''ذات'' پیدائش کے ساتھ ہی ملتی ہے، اور یہی چیز انسان کو حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے، جس پر انسانی مساوات کی ساری عمارت استوار ہوتی ہے۔ مساوات کا ہمارے ہاں مطلب اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کہ مملکت کے ہر فرد کو حکومت کے نمائندے اور حاکم منتخب کرنے کا حقِ رائے دہی دے دیا جائے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انتخاب کے حق سے ہر فرد حقِ حاکمیت میں ایک ذریعہ تو بن جاتا ہے، لیکن اپنے مفادات کی حفاظت کا حق کھو بیٹھتا ہے۔ جب مساوات کی عمارت انسانی ذات کے عقیدہ پر استوار ہوتی ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی فرد اپنے مفاد کے حصول کے لئے آلۂ کار نہیں بنایا جاسکتا یعنی کوئی فرد اپنے مفاد کے حصول کے لئے کسی دوسرے فرد کو بطورِ ذریعہ استعمال نہیں کرسکتا۔ اسے ہی حقیقی آزادی کا نام دیا جاسکتا ہے۔

لہٰذا احترامِ آدمیت ایک مستقل قدر ہے، جسے کسی مفاد اور مقصد کی خاطر کسی حالت میں بھی قربان نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے معاشرہ میں پائے جانے والے ذات پات، حسب ونسب اور رنگ ونسل کے تمام امتیازات بھی ختم ہوجاتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی رو سے جنسی تفریق نہ وجہ ٔ ذلت ہے نہ باعثِ امتیاز، یعنی نہ مرد، محض مرد ہونے کی حیثیت سے، عورتوں سے افضل ہے، اور نہ ہی عورتیں محض عورت ہونے کی بناء پر مردوں سے کمتر ہیں۔ مرد اور عورت کی ساخت میں جو فرق ہے، اس کا تعلق ان کے طبعی وظائفِ حیات سے ہے۔ انسانیت کی سطح پر دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس میں عمل کا میدان دونوں کے لئے یکساں ہے اور عمل کے نتائج بھی یکساں۔ عربی زبان کی یہ خاصیت ہے کہ جب تک تذکیر وتانیث کو الگ نہ کیا جائے، تو دونوں کے لئے مذکر کا صیغہ استعمال ہوتا ہے، اور درجِ بالا آیت کے اندر دونوں مذکر اور مؤنث آجاتے ہیں قرآن نے اطاعت وعقیدت کی سیڑھی کے سب سے بلند زینے پر کھڑے نبی تک کی عقیدت مندی کے سلسلے کے سارے سلسلے کو یہ کہہ کر توڑ کر رکھ دیا کہ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ جب نبی کو یہ حق نہیں پہنچتا، تو آپ کے ہاں کے یہ حضرات اور مشائخ اور یہ پیر اور مولوی کس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میری اطاعت کرو۔

افسوس اور تعجب ہے کہ اس کے باوجود ہمارے ہاں کی بیشتر خواتین بغیر عقل سے کام لیتے ہوئے، اِن روایات پر اعتراض کو دماغ میں جگہ دینے کا سوچ کر بھی خوفزدہ ہوجاتی ہیں۔

اِس کے بالمقابل عورتوں کے جو حقوق اور درجات قرآن میں متعین کئے گئے ہیں، اُن کو دیکھ کر علامہ اقبال کا قول نظروں میں آ جاتا ہے کہ "اگر میں مُسلم نہ ہوتا اور مجھے حق الیقین نہ ہوتا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے تو میں نے یہ سمجھنا تھا کہ یہ کسی عورت کا لِکھا ہوا ہے۔"

ایسے ہی کبھی مجھے خیال آتا ہے کہ ہم اِن درجِ بالا قرآن کے منافی روایات کو دیکھ کر اسے رسول کا کلام تو گردانے کی جرأت نہیں کر سکتے، لیکن چونکہ اِن کا احادیث کی کُتب صحاحِ ستہ اور اُمت میں مُستند قرار دی گئی کُتب میں اندراج ہو چکا ہے، اس لئے اُن کو سُنت کا درجہ دینے اور نصابی کُتب میں جگہ پانے کی نسبت سے یہ ہمارے دین کا حصہ بن چکی ہیں۔

اِسی موقف کی بازگشت پاکستان کے دستور میں:

it is stated there,To put in the words of constitutions under preamble in "where in the Muslims shall be enabled to order their lives in the individual and collective spheres in accordance with the teaching and requirments of Islam as set out with the Holy Quran and sunnah.

جہاں مسلمانوں کو سہولت دی جائے کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کی تعلیمات اور ترجیحات کے مطابق بسر کر سکیں جنہیں قرآن وسُنت نے مقرر کر رکھا ہے۔

قانون میں قرآن وسُنت کی اِس شِق کی پابندی کے لئے میرے خیال میں تو اس کی تشریح کا سادہ جواب یہ ہونا چاہیئے کہ نمائندگانِ ملت ہی نے دستور میں قرآن وسُنت کو قانون سازی کے بنیادی ماخذ کی منظوری دی تھی'' لہٰذا اُس کی تشریح یا پھر اس کے نفاذ کی ذمہ داری کا قانونی حق بھی اُسی ادارہ کو حاصل ہونا چاہیے۔ اگرایسا ہوجاتا تو شاید اِس ضمن میں گمراہی کی شکل میں جو بھی مشکل مرحلہ سامنے آتا'' اُس کا حل بتدریج قانونی انداز میں حاصل ہوجاتا۔

ہمارے ملک کی مزید بدقسمتی ہے کہ سُنت کی عملی طور پر تشریح کی اجارہ داری مکتبِ ملانے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور نمائندگانِ ملت اپنی نااہلیت کی بنا پر اس معاملے میں مکتبِ مُلّا کے فتوؤں کے محتاج اور اُن کے آگے یرغمال بنے بیٹھے ہیں۔

مکتبِ مُلّا کے نزدیک سُنت سے مراد احادیث/ روایات ہے اور خصوصی طور پر وہ جو صحاحِ ستہ میں درج ہوں، قرآن کے ساتھ اسلامی شریعت کے بنیادی مآخذ کی حثیت کا مقام رکھتی ہیں۔

اس حقیقت سے ہر شخص واقف ہے کہ روایات کے صحاحِ ستہ کے علاوہ بھی متعدد مجموعے ہیں۔ ہر مجموعے میں خود مکتبِ مُلّا کے نزدیک صحیح اور ضعیف ہر قسم کی روایات موجود ہیں۔ لہٰذا مشکل مرحلہ یہ ہے کہ جب آپ کہتے ہیں کہ دستور کی بنیاد سُنت بمعنی روایات پر بھی ہوگی۔ اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جاسکے گا'' جو روایات کے خلاف ہو'' تو اس سے آپ کی مُراد احادیث کا کونسا مجموعہ یا اس مجموعے کی کونسی روایات ہیں۔ آپ کہہ دیں گے کہ اس سے مُراد صحیح احادیث ہیں۔ لیکن پھر یہ سوال سامنے آئے گا کہ اس کا فیصلہ کون کرے کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی روایت ضعیف۔

شیعہ اور سُنی دونوں فرقوں کے نمائندوں نے یہ متفقہ فیصلہ کیا ہے کہ مُلک کا قانون قرآن اور سُنت کے مطابق بنے۔ سُنت کی تشریح وتفصیل اِن دونوں فرقوں کے نمائندوں کے نزدیک بالکل مختلف ہے۔

سُنیوں کے نزدیک جس حدیث کے راویوں میں کوئی راوی شیعہ ہو یا شبہ کیا جاتا ہو کہ وہ شیعہ ہے وہ حدیث قابلِ قبول نہیں سمجھی جاتی۔

اس کے برعکس شیعہ حضرات کے نزدیک کسی غیر شیعہ کی روایت سچی ہو ہی نہیں سکتی۔

لہٰذا یہ بات قطعاً سمجھ میں نہیں آسکی کہ کون سا دستور ہوگا'' جو حدیث کے مطابق بھی ہوگا اور دونوں فرقوں کے نزدیک متفق علیہ بھی۔''

جہاں روایات کی بِنا پر یہاں دو فرقوں میں تقسیم ہونے کا امر ظاہر ہوتا ہے، وہاں ہمیں ہر گز فراموش نہی کرنا چاہیئے کہ اللہ تو واحد ہے۔ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک بھی نہیں کرتا اور اِس طرح قوم میں تفرقہ کو ویسے ہی قرآن شرک قرار دیتا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (31/ 30:30)۔

ترجمہ: (مسلمانو) دیکھنا (تم ایمان لانے کے بعد پھر) مشرکوں میں سے نہ ہوجانا یعنی اُن لوگوں میں سے نہ ہوجانا جنھوں نے دین میں فرقے پیدا کئے اور خود بھی ایک گروہ بن بیٹھے پھر حالت یہ ہوگئی کہ ہر گروہ اپنے اپنے طریقے میں مگن ہے۔

اس لئے نبی اکرم ﷺ سے ہر لحاظ سے اُمت میں صحیح قرار پانے والی روایت کی وساطت سے یہ بات منسوب کرنا سمجھ سے باہر ہے کہ میری اُمت میں بہتر (72) فرقے ہونگے اور باعث رحمت ہوں گے۔

باعث رحمت تو کُجا قرآن میں ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ (160:6)

ترجمہ: اے رسول! جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کر لئے اور گروہ بن بیٹھے تیرا اِن سے کوئی تعلق نہیں۔

اس سے واضح ہے کہ آپ احادیث کی رو سے کوئی ایسا دستور بنا ہی نہیں سکتے جو سب کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ اگر رسول اللہ قرآن کے ساتھ اپنی احادیث کا کوئی مجموعہ بھی مُرتّب فرما کر دے جاتے تو ہم یہ کہہ سکتے تھے کہ سُنت سے مُراد وہ احادیث نبویؐ ہیں جو اس مجموعہ کے اندر شامل ہیں۔

اب جب ہم دیکھتے ہیں کہ صحاحِ ستہ کو نہ ہی خود رسولِ اکرم ﷺ نے اور نہ خُلفاء راشدینؓ نے مرتب کیا ہے تو ہم حق بجانب ہوں گے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کہ اِن کو قولِ رسول کا درجہ دینا مناسب نہیں ہوگا، بلکہ منسوب علی الرسول کے قول کا درجہ دینا چاہیئے۔

اِس بات پر سبھی مستند اصولینِ احادیث کا مکمل اتفاق ہے کہ ہر وہ قول جو قرآن کے خلاف ہو، وہ قولِ رسول نہ ہونے کی سکت رکھنے کی استطاعت اور بنیاد پر دین میں حُجت کا مقام نہیں رکھتا۔ لہٰذا اوپر درج ہوئی ہر وہ حدیث اصولیین کے مطابق جو قرآن کے خلاف ہو، وہ نہ تو رسولِ اکرم کا قول کہلانے کی مُستحق ہے اور نہ دینُ الاسلام کا حصہ ہوسکتی ہیں۔

وقت آ گیا ہے کہ ہم دین میں قرآن کے منافی اِس قسم کے مواد کو نصابی ہدایات سے نکال کر اِن سے چھٹکارا حاصل کر لیں ورنہ قرآن کی اِس وعید کے لئے تیار ہوجائیں کہ جب ہمارے خلاف رسولِ اکرم کی شکایت سامنے آجائے، کہ:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (25:30)

''اور رسول کہے گا کہ اے میرے نشوونما دینے والے! یہی ہے وہ میری قوم جس نے اس قرآن کو (اپنے خودساختہ معتقدات کی رسیوں سے) جکڑ دیا تھا، کہ وہ دو قدم چلنے کے بھی قابل نہ رہا تھا۔''

اسلام - مذہب نہیں دین ہے۔

یعنی نظام حیات جو ایک آزاد مملکت میں پروان چڑھتا ہے۔

اس نظام کی تشکیل کا آغاز عہد نبوی میں ہوا لیکن وہ اپنے عہد شباب تک

خلافتِ فاروقیؓ

میں پہنچا۔ اسلام کو بحیثیت ایک نظامِ حیات دیکھنے کے لیے اُس عہد کی صحیح تصور کا سامنے آنا ضروری ہے۔ اسے پرویز صاحب نے اپنی مدت العمر کی تحقیق وکاوش کے بعد اپنی

عظیم تصنیف

شاہکارِ رسالتؐ

میں پیش کیا ہے۔ اس کے آخری باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ

عہدِ فاروقؓ کے بعد اسلام پر کیا گزری؟

اور کس طرح دین سے موجودہ مذہب میں تبدیل ہوگیا۔

اس کتاب نے ہماری فکری دُنیا میں انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

کمپیوٹر کمپوزنگ اور کتابت کا حسین اِمتزاج

طباعت کا اعلیٰ ترین معیار

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) 25 بی، گلبرگ 2، لاہور

tolueislam@gmail.com ; www.islamicdawn.com
www.facebook.com/tolueislam.trust

What have we forgotten in Islam

The Aga Khan's diagnosis in a letter dated 4th April, 1952 to Dr. Zahid Husain President, ArabiyyahJamiyyat, Karachi.

First of all I must thank you for so kindly praying for my health. The Almighty has graciously allowed me some further time to be able to serve the great cause which you and I have at heart. I had promised when I made the donation of Rs. 10,000 to send you my views and I take this occasion of doing so.

Of late in Pakistan various people have said that the downfall of the Muslim states during the last 200 or 300 years has been due to forgetting Islamic principles and this is a warning for the people of the new God-given state of Pakistan. Certainly I agree that we forgot Islamic principles in these three hundred years, but here great care must be taken to understand what Islamic principles we forgot and what Islamic principles we did not forget, for, it may be, that the stress is being hid in the popular mind on what we had not forgotten.

For instance, the Ulemas in Iran were ever more powerful, more influential, more believed in, more obeyed than in the early part of the 19th century during Fatehali Shah's reign. The Shariat law was in every way being carried out, rites and ceremonies were exactly obeyed, the poor received regular help and assistance and Zakat was general Yet that was for Iran the most disastrous period because they went to war, foolishly trusting on prayers, against Russia and lost the whole Caucasus, Georgia and half Azarbaijan.

It is generally said in Iran that the Ulemas assured the troops who had inferior arms that if the prayer Joshaun was read, they could face the superior armament of the Russians. Unfortunately they did and they were massacred and defeated and had to accept finally the humiliating treaty of Turkamanchia.

During the same 18th/19th centuries in Turkey and North Africa also, the rites, ceremonies and alms for poor were carefully carried out and yet those were the years of the disastrous wars with Russia and Austria with regular loss of territory. Only in India we can say that the downfall was due to the forgetting of our principles of rites and ceremonies and Shariat law,

but here apart from such failures, the same forgetting of another fundamental Islamic principle, which had led to the downfalls in Iran and Turkey, also worked and was perhaps the principal cause.

In North Africa, from Egypt to Morocco, rites and ceremonies and the ordinary laws of the Shariat and poor relief were strictly observed and yet year by year throughout the 19th/20th centuries, independence was removed and Europe conquered in one form or other, Morocco being the last which was lost in our time for the same faults. There was another fundamental Islamic principle which the Muslim world during the last 300 years more and more forgot and they lost everything.

Islam is fundamentally in its very nature a natural religion. Throughout the Quran God's signs (Ayats) are referred to as the natural phenomenon, the law and order of the universe, the exactitudes and consequences of the relations between natural phenomenon in cause and effect.

Over and over, the stars, sun, moon, earthquakes, fruits of the earth and trees are mentioned as the signs of divine power, divine law and divine order. Even in the Ayeh of Noor, divine is referred to as the natural phenomenon of light and even references are made to the fruit of the earth. During the great period of Islam, Muslims did not forget these principles of their religion.

Under the Khalif Muavia and the great Omaiyyad Khalifs of Damascus, the Islamic navy was supreme in Mediterranean, better ships, better knowledge of wind and tide were placed at the disposal of the Muslim navy and thus the land conquests of half Western Europe rendered possible and easy. Even the historian Gibbon says that when the Turks conquered Constantinople, the Muslim artillery was far superior to any other in Europe, and far greater knowledge was known of the consequences of powder and fire than anything that the Greeks had at their disposal. This alone led to the rapid Turkish conquest of the Balkan Peninsula and Constantinople and coming up to Vienna. Just as under the great Omaiyyads they had almost reached Paris.

But at the end of the 17th century and beginning of the 18th, the European Renaissance rapidly advanced in knowledge of nature, namely all those very Ayats of God to which the Quran refers when Muslims forgot the Ayats, namely natural phenomenon, its law and order which are the proofs of divine guidance used in the Quran, but we stuck to our rites and

ceremonies, to our prayers and fast alone, forgetting the other half of our faith.

Thus during those 200/300 years, Europe and the West got an advance out of all proportion to the Muslim world and we found everywhere in Islam (inspite of our humble prayer, our moral standard, our kindliness and gentleness towards the poor) constant deterrioration of one form or another and the Muslim world went down. Why? Because we forgot the law and order of nature to which the Quran refers as proof of God's existence and we went against God's natural laws. This and this alone has led to the disastrous consequences we have seen.

Today public opinion in Pakistan is standing at a critical moment. If again we look upon Islamic principles as only rites and ceremonies and forget the real Ayats of God's natural phenomenon, then not only Europe but China and India will go so far ahead of us that either we will become like North Africa, humble protectorates or we may have like Turkey to throw over much that is most valuable and precious in our mental outlook. To avoid this, what are we to do? Any fool can tell you of the disease but what is the remedy, how are we to save both teaching of Islam, knowledge of nature and our daily Islamic life of kindliness, gentleness and prayers? If the present method by which the Ulema being brought up on one line of studies and the scientific youth on a different one continues, then disaster will come because there will be a fundamental misunderstanding in the outlook of intellect and faith in the soul of the nation. We must learn from our enemies what saved Christianity for Europe.

It was the fact that, as the Universities at the time of the Renaissance and centuries that followed went forward with natural studies, at the same time, the same universities had faculties of divinity in which the priesthood was trained. The atmosphere of science permeated the atmosphere of Christian divinity studies and the atmosphere of the Christian divinity students permeated the atmosphere of the scientific studies; thus both grew and developed together.

Christianity adapted itself to science, though it is anything but a natural religion being based on fundamental irrational principles which are the breakup of natural law and order, while science accepted these extraordinary miracles as temporary breaks of the natural law of the universe.

Alas, Islam, which is a natural religion in which God's miracles are the very law and order of nature, drifted away and still drifting away, even in

Pakistan, from science which is the study of those very laws and orders of nature.

You, gentlemen, have a great responsibility. The only practical hope I see is that all your universities in Pakistan should have a faculty of Islamic religious and philosophical studies attached to ordinary curriculum for post-graduate students, who alone could be recognized as Ulemas. Something of the kind I know is being prepared in Egypt.

A great Muslim divine, alas dead far too soon, the late Sheikh al-Maraghi, insisted in Azhar that natural laws should be taught according to the latest discoveries; but if we turn to Iran, Pakistan, North Africa, outside Egypt, we find that the Ulemas are being still brought up on the same old lines and the modern students on a totally different line. There is no unity of soul without which there can be no greatness.

My voice alone is the voice of an old sick man in the wilderness, but you members of the Jamiyyat are not old members and sick men. Insist, you who have taken up the study of the language of the Quran, to make the spirit of the Quran also the spirit of Pakistan. Remember that in the great first century they knew more about sea and wind than Europe ever did for hundreds of years to come.

Today where are you? Unless our universities have the keen graduated Ulema school for men brought up in the same atmosphere as the science students, realizing the fundamental truth that Islam is a natural religion of which the Ayats are the universe in which we live and move and have our being, the same causes will lead to the same disastrous results.

You, members of the Jamiyyat should bravely request the enlargement of our universities and the increase of their numbers on Aligarh lines, and insist on post graduate degrees for Ulema, just as there is for scientists brought up in the same way. I influenced my friend MohsenulMulk to do something of the kind in Aligarh. Alas, he died and after his death my direct influence on the powers of Aligarh got less and less, though something of the kind to which I here refer did come up in Aligarh.

It did not go the whole way as it would have gone, still if MohsenulMulk had lived and I had been able to continue my influence, but it was an improvement and it has given you Pakistan. Without Aligarh no Pakistan would have come, but to live we want many Aligarhs with science and religious philosophy and education blended in one atmosphere realizing that God of the Quran is the one whose Ayats are the universe.

This is my most important message to you, brothers of Jamiyyat. If your prayers have given me life enough to write this letter, your prayers have done some good.

Surah *'Abasa*(عَبَسَ)–*Durus-al-Qur'an Parah 30*: Chapter 10

By G. A. Parwez
(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

My dear friends, today is July 20, 1984 and today's lecture starts with verse 17 of Surah *'Abasa*(عَبَسَ) (80:17).

Doubts and suspicions about the Quran

My dear friends, if you remember we have been discussing the basic confrontation that has been going on since the beginning of time between two groups of people broadly divided in to upper and lower classes. This division could be based on race, ethnicity, wealth, power or influence .The lower class generally consists of those who are the poor, the helpless, and the downtrodden of the society. The objection of the upper or the superior class has always been that it cannot tolerate equality of humankind; that it cannot tolerate the brotherhood humankind; that it cannot be treated like everyone else. But this universal equality of all human kind has been the basic revolutionary message of all the Prophets: كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ (80:11) – the Quran is an open code of life for all humankind. فَمَن شَآءَ ذَكَرَهُۥ (80:12) – and so, whoever is willing will receive guidance from it. There is no question of any discrimination in it of any type. Whoever wants to heed its advice is welcome. Status, fame, fortune, power, superiority, etc. do not play any part in it. What is this code of life? The Quran says: (80:12-14) فَمَن شَآءَ ذَكَرَهُۥ فِى صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ – and so, whoever is willing may remember Him in (the light of His) revelations blest with dignity, lofty and pure. And: (80:15-16) بِأَيْدِى سَفَرَةٍ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ – [borne] by the hands of messengers noble and most virtuous.[Asad] The Quran is recorded by those who are most respected and dignified having spotless character. What to say of this statement my friends? It is as if it is being said in a rapturous mood! Even if you know few Arabic words you will notice here that in what a delightful way this is being said what the Quran is! It has clearly exposed the conspiracy that has occurred with the Quran; with its *Deen*; and with Islam.

The strategy was to create doubts and suspicions about the Quran in the hearts of the *Ummah*: to call that it is incomplete; that it is brief; that it is confusing; and that, therefore, it needs outside source for its explanation. That is, if these things get drilled into people's minds and hearts then the *Deen* no longer remains valid, then it no longer remains in its pure form. This was the strategy that was pursued with deliberate planning to unplug the *Ummah* from Quran. And the main plan of all was to tell that the Prophet (PBUH) did not give the Quran in complete and compiled form to the *Ummah*; that this was scattered all around on date-leaves, on camel bones, and on small clay tablets. Then, a superstructure of narrations was erected on top of this fiction to provide reality to this myth. I have been emphasizing – and

will keep on emphasizing until my last breath –that so long as these narrations are given the status of *Deen* and not the status of history which is what they are; and so long as *fiqh* (jurisprudence) laws are given the status of Sharia and remain unchanged; – neither Islam nor a true Islamic government can ever get established anywhere in the world. These lectures are being recorded for future historians – so please keep this in mind and spread this message of truth as much as possible. Without this no matter how much one can try there will be *no* progress. As long as Muslims continue to accept as *Deen* these two sources – narrations and *fiqh* – *Deen* will never get established.

I have written in detail about how this planned strategy to sow doubts and suspicions about the Quran was carried out. It was done through narrations which say that the Quran was not in the form of book; that it was not in manuscript form; that its pages were scattered all around. Only then, after the Prophet (PBUH), efforts were made to collect these pages and compile them. One can see all these things mentioned in detail in the narrations. There is so much contradictions in these narrations that some say that it was collected and complied during the period of Abu Bakr (R); some say that it was done during the period of Umar (R); and still some say that it was collected during the period of Uthman (R).One can clearly see at play the object of these narrations. That is, first, contradictions were created and then a committee was formed and was charged with the task to collect these scattered verses written on different objects from different people, and compile them in a book form. And still some verses were not found!

Search for verses related to suckling and stoning

My dear friends, this is what the narrations say.All the companions *are* in Medina and the committee that was formed could not find the verses related to suckling and stoning! On the other hand, other narrations say that the effort to collect and compile the Quran was done because many *Huffaaz* (Quran memorizers) were martyred in battlefields. Look at the mutual contradictions in all these narrations. There are hundreds of narrations dealing with this. One of them says that Umar (R) told Abu Bakr (R) that if it is continued this way and hundreds of these *Huffaaz* keep getting martyred then then there would be no one left around; and, therefore, the Quran should be written up. Now, please think about it. There were hundreds of these *Huffaaz* in Medina. What prevented them in the first place from dictating the Quran to someone so that he could write the Quran? In *Taraweeh* prayer we know that when the Imam makes a mistake then he is corrected right away by another *Hafiz*. What was the point then of a committee asking people to do random searches in order to find the verses of the Quran? It therefore seems that they purposely inserted many contradictions in the narrations to confuse people. If they

were so many *Huffaz* then why wasn't the committee composed of them, instead of those who were randomly searching for verses?

My dear friends, in Medina, where, in the words of Umar (R), the Quran recitation was echoing like honeybees – and, some verses cannot be found? So, 'Aisha (R) was approached who said these verses were in the Quran but then she asked surprisingly: were these verses part of the Quran, and what happened to them? This response of 'Aisha is reported in narrations as if a century had passed? But this was in Medina where all the companions were there. Anyway, according to narrations, 'Aisha told that in the aftermath of chaos that ensued when Prophet (PBUH) passed away, our goat broke its leash and ate these verses that were written on the leaves of date trees.

Goat ate the verses

My dear friends! These narrations regarding the collection of the verses of the Quran are there in the six books of Hadith generally known as the six most truthful books (*SahaaSitta*). The goat ate the verses! What to do then? When Umar (R), the Khalifa, was asked about it, he said: We used to recite these verses during the Prophet's time. Well, then why don't you put these verses in the Quran? On this Umar (R) replied that he couldn't do that because people would say that Umar added something on his own to the Quran. Then what to do? Well, don't add these verses to the Quran but their injunctions, nevertheless, would remain. This is what, my friends, has come down to us as history of compilation of the Quran. But that is not all. On the other hand, there are many verses in the Quran whose injunctions have been abrogated by narrations and hadith. Then why are they there in the Quran? The narrations tell us that they are there to recite and earn rewards: Recite a word and earn ten rewards! – Some verses are not in the Quran but their edict *is*; some verses *are*in the Quran but their edict isn't? Did you notice how deep this conspiracy against the Quran was? Allah took the responsibility to protect the Quran. It is the final, complete, unchangeable, completely protected code of life. But the narrations are telling otherwise. These narrations are there in the six most authentic books of hadith. But no one has the nerve to remove them from these books. This is what has become of the Quran with us. As I mentioned Allah knows the unseen; He knew that what these people are going to do with His Book? No, it is not going to happen. كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ (80:11) – Nay, verily, these (messages) are but a reminder. This is an open and clear Book by following which humankind can achieve glory and dignity.

The Quran's own evidence

My dear friends, Allah says in the Quran: (80:12-14) فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ And so, whoever is willing may remember Him in (the light of His)

revelations blest with dignity, lofty and pure. [Asad]. Allah-u-Akbar! The Quran is inside of صحیفہ (*Sahifah*) – meaning it is written and complied. It is blessed with dignity. It is lofty and unadulterated. And further: (80:15-16) بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ – [borne] by the hands of messengers noble and most virtuous. The Quran is recorded by those who are most respected and dignified having spotless character. سَفَرَةٍ (*Safrah*) means clear spotless whiteness. It is also used for human inner conscience because it comes out shining. What we say journey is also from this word سَفَر (*Safar*); and from this attribute it also means to carry a message far away, and make it clear and bright so that it is easy to understand. Ambassador or *Safeer* (سفیر) is also from the same word whose job is to spread the message of the government far and wide. So, these are the attributes that the Quran mentions regarding its scribes. And then it calls them كِرَامٍ (*Kiraam*) meaning that these scribes werefull of dignity and virtue and loftiness. Further, it also calls them بَرَرَةٍ meaning that they were completely free and independent of any bias and corruption. These were the people who recorded the Quran – who had the highest moral character, who were the most honest and dignified and who were free from any corruption – under the supervision of the Prophet (PBUH). These are the lofty attributes that Allah has mentioned about the scribes who recorded the Quran. And the Quran itself says that its recording; its compilation; and its protection – all these are Allah's responsibilities. This, my friends, is the ultimate proof from the Quran itself and it does not need any outside rationale for its explanation.

Another reason to create doubts and suspicions about the Quran

My dear friends, please note that Allah, the Almighty, Himself took the responsibility to protect the Quran. This is the Quran that the Prophet (PBUH) gave it to Ummah. But doubts and suspicions were created that he did not give the Quran in the form of book. And to create further doubt another reason was cooked up which has become important now. You know that the crime of this sinner is that he keeps calling the Quran the final, the complete, the unchangeable code of Allah that was compiled and given to the Ummah in the form of a book by the Prophet (PBUH)himslef.

When it was mentioned to these proponents of hadith and narrations that if these were part of the *Deen* then why didn't the Prophet (PBUH) compiled them in a book form and gave it to the *Ummah* so that no doubts and suspicionscould arise; so that no differences, no discrepancies,and no contradictions could remain in them. After all these differences and contradictions are plaguing the *Ummah* for thousandsof years so much so that there are differences in the form and details even indaily prayersof different Muslims. These differences are all due to narrations. If that is the case then the Prophet (PBUH) should have compiled his narrations – if

these were so important as to be part of *Deen*–and given it to the Ummah in the form of a complete book. May be this was an objective criticism those days. But these days this criticism is hurled back and the proponents of hadith and narrations demand: Prove that the Prophet (PBUH) gave the Quran in complied book form? They insist that he didn't compile the Quran in a book – because he didn't compile the hadith in a book? This argument – that the Prophet (PBUH) did not give a compiled book of these (concocted) narrations to the Ummah – is being used as a weapon now to prove that the Quran was also not given by him to the *Ummah* in final compiled form as a book?!Since the prophet hood is finished, so keep hitting your head against this stonewall of narrations? This is such a deep conspiracy that it will not let this *Ummah* unite until the Day of Judgment. But these narrations are not trustworthy. For example, this narration about the blind man is attributed to 'Aisha; and the readers think that 'Aisha narrate it to Imam Bukhari and he wrote it. The readers get the same impression about Umar (R) and other companions as if they narrated to Imam Bukhari and he wrote them in his book. But Imam Bukhari is removed in time – no less 200 years – from them and he is not really writing their sayings but collecting them after two hundred years based on a chain of oral narrators. How exactly did he come to know whether not a narration was really mentioned by 'Aisha ?Or by Umar or by any other companion? The common public does not get to know these facts.

Oral chains spread over 200 years

My dear friends, these narrations were collected after 200 years after the Prophet (PBUH). You can very well imagine how many narrators would have been involved in all these 200 years. How did these Imams collect these narrations? First of all no one assigned them this duty. They wandered around on their own and asked anyone to tell whether he heard any saying of the Prophet (PBUH). When he told yes, then he was asked from whom he heard. From my father who is dead now, came the reply. How did your father come to know about this? From so and so, came the answer. Now this narrator told these Imams the oral chains spread over 200 years – that so and so heard from so and so, and he, in return, heard from so and so and so on so forth until finally someone heard from Abu Bakr (R). Then these Imams wrote that hadith as if it was really narrated by Abu Bakr and then they followed it by the text of that narration and proclaimed asthe hadith of the Prophet (PBUH). And the reader is led to believe that since Abu Bakr (R) remained with the Prophet (PBUH) all his life then this hadith must be true. But the reader is not told the entire truth about this whole process and what it means. The reader is not told that there is a gap of 200 years between the final narrator and these hadith collectors. Now, consider this scenario: Someone comes to a court as a witness and

stands in the witness box and says to the judge that he did witness this incident but heard from someone. What do you think the judge will do? Well, he will throw him out of the court right away because hearing from someone is not considered as witness. But, here, in collecting the sayings of none other than the Prophet (PBUH), all of the witness is based on hearsay spreading over five to six generations – and this is considered to be unchangeable; and part and parcel of *Deen*?! Go figure!!

One and the only way to remove differences

My dear friends, as long as the one and only final authority, the final confirmation – if it is not the Book of Allah then neither the differences of the *Ummah* will disappear, nor the *Deen* can be established, nor any State can ever become Islamic. Wherever in the Quran reference to the Quran comes, it is that: إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (75:17) – It is for Us to collect it and to promulgate it [Yusuf Ali]. Allah says in the Quran that its collection is *Our* responsibility. But the hadith says otherwise – that is was not collected; that it was left scattered all around by the Prophet (PBUH); and it were these other people who started collecting its verses after the Prophet (PBUH) had passed away. Okay, it was collected and compiled – finally – by Uthman (R)? However, we find out – from narrations, of course – that several mistakes were pointed out to him, but he said that the *Ummah* is large and big enough and will fix them by recitation. That is, as a final compiler of the Quran he didn't fix the errors but left *this* responsibility to the *Ummah*. These are concocted narrations, my friends, to create doubts and suspicions in the Book of Allah. Could it ever be imagined that the ultimate and the final Book of Allah will suffer such a fate? These narrations are meant to shake our trust in the Book of Allah. Once the 100% trust in the Book of Allah is gone then the trust in the structure of *Deen* will become vaporous, and, ultimately it will vanish. It was Allah's infinite wisdom that He took the responsibility to collect and protect the Quran Himself. He told: (80:12-14) فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ۝ فِي صُحُفٍ مُكَرَّمَةٍ ۝ مَرْفُوعَةٍ مُطَهَّرَةٍ ۝ – and so, whoever is willing may remember Him in (the light of His) revelations blest with dignity, lofty and pure. And further: (80:15-16) بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ – [borne] by the hands of messengers noble and most virtuous [Asad]. After this the Quran says: قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ۝ (80:17) – But only too often man destroys himself: how stubbornly does he deny the truth [Asad]. Woe to these conspiring human beings who hide the truth about such a scripture. There are two things about *'Abasa* (عَبَسَ) from where this confrontation had started. The leaders of Quresh were extremely proud of and drunk with their wealth; and had deeply rooted culture of racial superiority.

(75:17) – It is for Us to collect it and to promulgate it [Yusuf Ali]. Allah says in the Quran that its collection is *Our* responsibility. But the hadith says otherwise – that

is was not collected; that it was left scattered all around by the Prophet (PBUH); and it were these other people who started collecting its verses after the Prophet (PBUH) had passed away. Okay, it was collected and compiled – finally – by Uthman (R)? However, we find out – from narrations, of course – that several mistakes were pointed out to him, but he said that the *Ummah* is large and big enough and will fix them by recitation. That is, as a final compiler of the Quran he didn't fix the errors but left *this* responsibility to the *Ummah*. These are concocted narrations, my friends, to create doubts and suspicions in the Book of Allah. Could it ever be imagined that the ultimate and the final Book of Allah will suffer such a fate? These narrations are meant to shake our trust in the Book of Allah. Once the 100% trust in the Book of Allah is gone then the trust in the structure of *Deen* will become vaporous, and, ultimately it will vanish. It was Allah's infinite wisdom that He took the responsibility to collect and protect the Quran Himself. He told: (80:12-14) فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ – and so, whoever is willing may remember Him in (the light of His) revelations blest with dignity, lofty and pure. And further: (80:15-16) بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝ – [borne] by the hands of messengers noble and most virtuous [Asad]. After this the Quran says: قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ ۝ (80:17) – But only too often man destroys himself: how stubbornly does he deny the truth [Asad]. Woe to these conspiring human beings who hide the truth about such a scripture. There are two things about *'Abasa* (عَبَسَ) from where this confrontation had started. The leaders of Quresh were extremely proud of and drunk with their wealth; and had deeply rooted culture of racial superiority.

Racial superiority is nothing in the eyes of Allah

My dear friends, this confrontation between Truth (*Haq* حق) and Falsehood (*Baatil*باطل) continued to move forward and racial superiority became the sticking issue with the Quresh. The feeling of superiority did not allow them to be part of others or even to sit with others. But this racial superiority is nothing in the eyes of the Quran. Please ponder on this issue. Only then one will under stand.A child is born without his choice in a family. There is no credit of the child where he is born? But the uniqueness of this credit is such that if he is born in a certain family then he attains racial superiority all his life. Leave aside the tribal life of those days and consider what is happening today. Most Muslim marriages in the subcontinent are based on caste although it is changing somewhat is the cities. A child born in a "Syed" family attains automatic superiority by virtue his birth. "Syeds" consider themselves related to the Prophet's family which entitles them to special status with special privileges. But consider this scenario: A "Syed" is charged with theft in a court of law and the complainant is trying to prove him a thief. And then in the recess he goes to pray and sends his blessings and salutations on that "Syed" –

being an *Aal-e-Muhammad* – but then goes back to court and tells the judge that he is a criminal. Do you see the irony in this? Although those tribal days have gone but their remnants still remain. The snake has gone but its shedding remains and, in fact, has become more sacred. If you remember sometime back a case was reported that a magistrate in his decision about a case involving a low caste person against a Syed charged that this person should get double the punishment because the person that he has committed the crime against is a "Syed". Do you see how this racial superiority plays out in life? But we are divided into many layers of superiority and inferiority based on wealth, race, ethnicity, profession etc. – and we call ourselves Muslims and followers of the Prophet (PBUH) who demolished these barriers? Please remember! Arabs, as a whole, used to call all non-Arabs dumb. Within the Arab tribes, the Quresh were considered the most superior tribe. And, within the Quresh, the tribe of Bani Hashim was considered the best and the most superior of all. The Hashemite were considered as if they were gods. And these were the people with whom the Prophet (PBUH) had confrontation! It seems Allah chose our Prophet (PBUH) deliberately from the most famous family of Abdul Mutallib with in most superior tribe of Bani Hashim within the most proud people of Qresh– to denounce: that racial superiority is false; that all humans are equal. If the Prophet (PBUH) had come from a low and inferior tribe and gave the message of equality of all humankind, then he would have been quickly condemned and denounced for saying this. Arabs would have charged him that he wanted to be superior and that is why he was saying this. But they could not say this as he came from the most superior family of the most superior tribe of Quresh.

My dear friends, the Prophet (PBUH) proclaimed publically that racial superiority is nothing. He told those, who based on racial superiority, objected to why a blind man was being allowed to sit with them? Have you ever thought about this? If nothing else, at least ponder on how your own life has passed through various stages? Allah says that ponder on the various kinds of sustenance that have been provided and how your life was created: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ (80:18) – [Does man ever consider] out of what substance [God] creates him [Asad]? You are claiming superiority based on birth. Do you realize from what were you created? مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ (80:19) – From a sperm-drop: He hath created him, and then mouldeth him in due proportions [Ali]. That is how you were created – from a sperm-drop. This sperm-drop was neither encoded "Syed" nor designated Quresh, nor Bani Hashim, nor Abu Mutallib. Every human child is created from like sperm-drop. So, how could it then be the cause of feeling of superiority? The factors that decide this come later. The faculties of seeing, hearing, and thinking come later. Also, provisions for sustenance are already provided. ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ (80:20) – and

then makes it easy for him to go through life [Asad]. After the birth: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (90:10) – and shown him the two highways [of good and evil] [Asad]. We have given human the faculty to make a decision and it is up to him to decide which way to follow? Where does the factor of superiority based on race factor into it? These faculties are equally alike in every human child. Every human is born like this: everyone has these faculties of human physical and mental senses and everyone has these two ways in front of him. So, whosoever wants can choose the right way so that life becomes easy for him. ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ (80:20) – and then makes it easy for him to go through life. This is physical life. But, after leading this physical life, *everyone* heads to grave, notwithstanding the extrinsically-attached self-superiority ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (80:21) – and in the end He causes him to die and brings him to the grave. The representative of Quresh was being told that in birth and in death every one gets the same treatment, so, how, *you* are different? ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ (80:22) – and then, if it be His will, He shall raise him again to life. Let me tell you, my friends, this is related both to the life of individuals as well as to the life of nations. Just like individuals, nations also go through rise and fall and eventually die. Dead nations may have the ability to rise. If that is the case then: ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ (80:22) – according to Allah's law of requital fresh life is granted. This happens to individuals as well. We normally call it life after death but a Western thinker calls it life after life. He does not bring death into the middle. This is a much better characterization of reality of life. The Quran says that this applies to every human child and every human being. There is no place of racial superiority in this – then what are you fighting for? But human beings don't get it no matter how much it is explained to them. كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ (80:23) – Nay, but (man) has never yet fulfilled what He has enjoined upon him! What has been enjoined upon him? What is it that man does not fulfil? We can use concordance to understand what is meant by اَمَرَهٗ (*Amruhu*)?

National isminstead of Universalism

My dear friends, the Quran has warned about the destructive consequences of creating divisions among human beings: وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ (2:27, 13:21, 13:25) – and sever that which Allah ordered to be joined. The entire humankind is one universal *Nation*. Allah says: Do not break it into pieces. But man has broken humankind into tribes, into races, into families; and the modern world we call civilized has split humanity into nations which have become the greatest threat to human survival. These artificial lines drawn to split humanity into different nations have become purveyors of death and destruction. These nations fight for these lines and they call themselves Muslims? Iran and Iraq both claim to be Muslims but they are killing each other because of this (political) line which has turned them into two separate

nations.

The biggest satanic system

To divide human beings into nations by drawing lines – or what are called "borders" by the so-called modern civilized world – is the biggest satanic system. The Quran came to wipe out these lines – and it did. So, the first thing Allah told humans *not* to do is to draw these lines; but, nevertheless, they went ahead and did it. And second thing that the Quran says is that the sustenance granted by Allah is for the entire humankind and must not be divided into pieces. But, again, humans went ahead and did divide it into pieces so much so that some swim – and even drown – in excess while others are not even able to feed their children. There is created difference between humans and humans in every aspect of life! Allah says that guidance was sent to remove these differences. Why this difference? Why this compartmentalization of human beings? But this is what the Quresh were most proud of. The Quran says: فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ (80:24) – Let man, then, consider [the sources of] his food. In this every kind of wealth is included. The Quran asks humans to ponder about how much is their contribution in all of this? أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا (80:25) – [how it is] that We pour down water, pouring it down abundantly. Look at the style of the Quran! Allah is using the plural "We" instead of "I" for Himself here when it comes to providing universal provisions of His sustenance and nourishment in which there is no interference of humans. We also see this "We" being used by courts in issuing official orders in its name. These are proclamations from higher authority. ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا (80:26) – and then We cleave the earth [with new growth], cleaving it asunder. And then: فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَعِنَبًا وَقَضْبًا وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا وَحَدَائِقَ غُلْبًا وَفَاكِهَةً وَأَبًّا (80:27-31) –and thereupon We cause grain to grow out of it, and vines and edible plants, and olive trees and date-palms,and gardens dense with foliage, and fruits and herbage.

Creation of sources of sustenance

My dear friends, just look at the foundation on which sustenance of humankind and everything that grows depend? Don't you see that everything that grows depends on water? If there is no water the land becomes barren. But where does the water from? Do the so-called big l and lords produce water or We do? Note how this authoritative "We" is used by Allah? And when you sow the seed then who makes the seed tear the ground and sprout and who makes it grow and produce grains and who ripens the grains for harvest? The Earth produces not only grains but all kinds of vegetables and fruits. How much is your contribution in all of this? Natural resources are given by Allah and only the effort is provided by humans. The Quran states: أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ (56:63) – "Have you ever considered the seed which you cast upon the soil? – You throw the seed in the ground. But after that, do you grow

– for you and for your animals to enjoy. This "you" or "كُمْ" means this sustenance is for entire humankind. And مَتَاعً (*Mataa'a*) are the things that a traveler takes with him on a trip, but only as much as is necessary for survival and that can be carried– no more than that and never for hoarding. The poet Shaikh Ibrahim Zauq (1789-1854) in his own unique style says:

Why this journey feels so burdensome that even its provision?
O Traveler of the Hereafter! You cannot even lift and transport!

The basic concept of the economic system of the Quran is hidden in one word مَتَاعً (*Mataa'a*)

My dear friends, a traveler does not overload himself while on a journey. The traveler takes with him only as much as is necessary for survival and that can be carried–no more or no less. This is the fundamental principle of the economic system of the Quran in one word :مَتَاعً (*Mataa'a*) or sustenance. And "كُمْ" or "you" means that this sustenance is for entire humankind. And it is also: وَلِأَنْعَامِكُمْ – for your animals also. In this context the Quran says that you exploit and usurp the fruits of the labor of the poor and weak; and then you sit on it like a snake and you consider this a thing to be proud of? Instead of being proud, you should rather be ashamed of this behavior. Actually, you are a thief and you area liar. The one you despise and you object as to why this blind man came – but the fact is: you became what you are because of persons like him? Otherwise, you would be nothing:

You were simply nothing before, except just "you"
"Your highness" we made; and "Your honor" too!

You, the representative of Quresh! You have your high status because of the poor like this blind man. What to say of the style of this that started withthe incident of'*Abasa* (عَبَسَ)but do you notice, my friends, where it all ends. The Quran says that we know you are not going to accept this message of equality anyway. You have too much hubris and arrogance. And this was reflected by the representative of the Quresh; who walked away from the Prophet (PBUH) displaying extreme pride and prejudice and mocking and frowning as we saw in Surah *Al-Mudaththir*– and murmuring that it is the same old story that is being retold. The Quran says that these Quresh were not going to listen to truth.

The meaning الصَّاخَّةُ(*Al-Saakhkhah*)

My dear friends, after this the Quran mentions that now the next phase of the revolution will follow. This is not a sermon that after listening it, people will go home and carry on business as usual. In our books of translations and interpretations the conse quences are left to the Hereafter: فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ (80:33) – And so, when the piercing call [of resurrection] is heard. How appropriate that the Quran chose the word الصَّاخَّةُ (*Al-Saakhkhah*) here to describe the next phase of the revolution? In those days battles used to be fought with swords. The crackling

sound of swords striking each other is called الصَّاخَّةُ (*Al-Saakhkhah*). It is said in this verse that this phase of revolution will be bloody involving piercing sound of swords and weapons and will be heart-wrenching and demanding. The Quran asks them: why do you wait until that bloody phase begins to come to right path? You were given all the reasons and logic to change course but you didn't listen? Now, you have to face this ferocious phase. What will happen then? (80:34-36) يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ – on a Day when everyone will [want to] flee from his brother, and from his mother and father,and from his spouse and his children [Asad].

My dear friends, May Allah protect us this kind battlefield where the aforementionedevents will happen. We have not seen such a thing. But whatever shocking situationswe see on television these days we can very well imagine what the Quran is talking about here? There will be chaos and trepidation everywhere.Then the Quran says: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝ (80:37) – on that Day, to every one of them will his own state be of sufficient concern. Everyone will be concerned with oneself that Day. No one will care about anyone else. There will be death and destruction everywhere. If that is the case, then do you force Us to bring you that situation? Why don't you accept Our truth before that happens. What will be the result? Listen: وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ (80:38-39) – Some faces will on that Day be bright with happiness,laughing, rejoicing at glad tidings. مُسْفِرَةٌ (*Musfirah*) means shining. When the decision for the clash is taken the faces of the group which had adopted the right course of life in line with the divine laws will gleam with happiness and joy. They will laugh and rejoice over their success and achievements.

Hellfire of black-money

My dear friends, then the Quran talks about the other group: وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ (80:40-41) – And some faces will on that Day with dust be covered,with darkness overspread [Asad]. This dust and darkness will be political dependence and humiliation. Who will be those people who will suffer these bad consequences? أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (80:42) – these will be the ones who denied the truth and were immersed in iniquity [Asad]! This will be the end of those who conceal from others the means of nourishment gifted by the Almighty, and deny them His bounties and gifts. This attitude splits human beings into schisms, creating disorder and chaos which is a terrible crime in the divine court of justice. What We desire is that humanity should be one entity; and not split into factions.

There is a new term these days of concealing wealth. It is called black-money. This concealed wealth is a headache for those who conceal it. And they invent new ways to make this black wealth into white wealth. The Quran talked about this black wealth and white wealth and black faces and white faces; and says that those with black

faces will be suffering punishment when that revolution comes which will expose the truth of everything; and that the transgressors and oppressors that had enjoyed at the backs of the poor – those with black faces and black wealth – will be in pain and in misery.

The meaning of الفَجَر (*Al-Fajr*)

My dear friends, meaning of الْفَجَر (*Al-Fajr*) is to disintegrate, to make into pieces, to separate.The leaders of usurpation and corruption divide humankind into parties, divide them into different blocks, suppress and diffuse them so that people never become able to challenge their power and hold on the masses. These leaders try not to let them unite; not to let them gather together and create a center of human political force. They do not let humanity come together to the center of humanity. But after this new phase of revolution; after this battle against evil forces – these oppressors of humanity will finally face their day in the divine court of justice. No matter what logic and reasons were presented against their continued evil practices so that they could see the light of reason of the right path but they did not listen.Therefore, it became necessary to use force to bring them to justice and to the right path. And thus the brotherhood of humankind and equality will be established which was the original claim of the Quranic program.

My dear friends! Surah'*Abasa*(عَبَس)has reached its conclusion today. In the next lecture we will take up Surah التکویر (Al-Takwir). إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ (81:1-4). What to say of these great thundering verses, my friends! We will see what the Quran is proclaiming in these verses in the next lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL NO. 28
VOL.68
ISSUE
9

Monthly **TOLU-E-ISLAM**

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546 , 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
web:www.toluislam.com

6 ستمبر 1965ء کی یاد میں

اے وطن ہم ہیں تیری شمع کے پروانوں میں
زندگی جوش میں ہے ہوش ہے دیوانوں میں